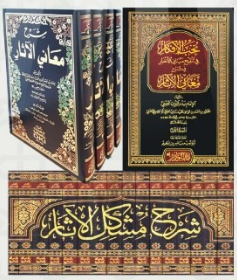


تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان، درجہ عالمیہ
سال اوّل، طلبہ کے نصاب میں شامل
شرح معانی الآثار المعروف طحاوی شریف
کا آسان اور جدید انداز میں خلاصہ

بنام

خلاصہ شرح معانی الآثار

کتاب الصلاۃ



تلخیص
مولانا شکور احمد ضیا سیالوی
مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

بزم رضا جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

نام کتاب: خلاصہ شرح معانی الآثار

مصنف: مولانا شکور احمد ضیاء سیالوی

zia5090565@gmail.com

پروف ریڈنگ: مولانا محمد بن تاج۔ مولانا محبوب حسین تونسوی

اشاعت بارِ اول: ذوقعدہ، ۱۴۳۹ھ / جولائی، 2018ء

ناشر: بزم رضا، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اسٹاکسٹ: علامہ فضل حق خیر آبادی پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور

سیالوی پبلی کیشنز، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

ہدیہ: 320 روپے

کتاب ہذا کو درج ذیل مکاتب سے بھی طلب کیا جاسکتا ہے

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور۔ نظامیہ کتاب گھر، اُردو بازار، لاہور۔

مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور۔ مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ، لوہاری گیٹ، لاہور۔

والضحیٰ پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور نعیمیہ بک سٹال، اردو بازار، لاہور۔

اسلامک بک کارپوریشن، کمیٹی چوک، راولپنڈی مکتبہ غوثیہ ہول سیل، کراچی۔

حسن ترتیب

کلماتِ تحسین

از قلم: جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث، مولانا، حافظ **محمد عبد الستار سعیدی**، مد ظلہ العالی

شیخ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ

اِمام ابو جعفر احمد طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اُن نابغہ ٔروزگار شخصیات سے ہیں جنہیں حدیث اور فقہ دونوں میں سند کی حیثیت حاصل ہے۔ فن حدیث میں اُن کی معروف کتاب ''شرح معانی الآثار'' المعروف ''طحاوی شریف'' اُن کی اعلیٰ فقاہت اور حدیث دانی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب اپنی منفرد خصوصیات کے سبب اہل علم کی نظروں میں نمایاں مقام رکھتی ہے اور تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے نصاب میں شامل ہے۔

عرصہ دراز سے طلبا کی سہولت کے لیے ایک ایسے خلاصے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جس کے ذریعے ''شرح معانی الآثار'' میں مذکور جانبین کے دلائل ذہن نشین کرنا آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق جامعہ نظامیہ رضویہ (لاہور) کے مدرس، عزیزم مولانا شکور احمد ضیاء سیالوی حفظہ اللہ تعالیٰ کو عطا فرمائی۔ موصوف تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تحریر کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

میں نے چند مقامات سے ''خلاصہ ٔشرح معانی الآثار'' کا سرسری مطالعہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے بھرپور محنت سے کام لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے اور موصوف کی مساعی میں مزید ترقی اور برکتیں عطا کرے۔

محمد عبد الستار سعیدی

خادم الحدیث والعلوم الدینیّۃ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

کلماتِ تحسین

از قلم: ادیب شہیر، مصنفِ کتبِ کثیرہ، شیخ الحدیث، مولانا، مفتی **محمد صدیق ہزاروی**، مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ، لاہور و سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ! کچھ عرصہ سے اہل سنت وجماعت کے فضلاء تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھ چکے ہیں اور درسی کتب کی تفہیم و تسہیل کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ رہے ہیں۔ یقیناً یہ اِقدام ”ضرورت اِیجاد کی ماں ہے“ کے تحت ضروری بھی ہے۔

اصل کتاب سے اکتسابِ فیض کے لیے ماضی قریب تک جس محنت اور جدّوجہد کا دامن تھاما جاتا تھا وہ اگر عنقا نہیں تو کم از کم کمیاب ہو چکا ہے۔

شرح معانی الآثار (طحاوی شریف) کتبِ احادیث اور کتبِ فقہ میں ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے اور حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ نے جس طرح عدل وانصاف اور حکمت ودانائی کی راہ اختیار کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ فقہی مسائل میں ائمہ کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے دیانت داری کے ساتھ دیگر ائمۂ فقہ علیہم الرحمہ کے دلائل سے معمور احادیث ذکر فرمائیں اور احناف رحمہم اللہ کے دلائل کو بھی احادیث مبارکہ سے مرصّع کیا اور پھر نظر (قیاس) کے ذریعے اور احادیث کی بوجوہ ترجیح کے ساتھ فقہ حنفی کی برتری کو واضح کیا۔

نوجوان فاضل علامہ شکور احمد ضیاء سیالوی سلّمہ اللہ العالی کو بارگاہِ صمدیّت سے زِیرکی، دانائی، حافظہ اور تفہیمِ مسائل کی بے بہا دولت حاصل ہے۔ اُنھوں نے نہایت عمدگی سے طحاوی شریف کے ابواب کا خلاصہ تحریر کیا۔

اِس میں کن کن اُمور کا خیال رکھا گیا اِس کا بھی اُنھوں نے شرح وبسط کے ساتھ "معروضہ" میں ذکر کیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب نہ صرف دینی علوم کے طلبا بلکہ دورِ حاضر کے مدرّسین کے لیے بھی مفید ہو گی۔

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کا اِفادہ واِستفادہ عام فرمائے اور علامہ شکور احمد ضیاء سیالوی سلّمہ اللہ الباری کو اِس میدان میں اپنی صلاحتیں نکھارنے کی ہمّت وتوفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیّۃ والتسلیم.

محمد صدیق ہزاروی سعیدی ازہری

اُستاذ الحدیث جامعہ ہجویریہ مرکز معارف اولیاء دربارِ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ / 27 جون 2018ء

معروضہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ.

اِمام ابو جعفر احمد طحاوی رحمہ اللہ الوالی کی ”شرح معانی الآثار“ المعروف ”طحاوی شریف“ جہاں تشنگانِ علمِ حدیث کے لیے بحر ذخّار ہے وہیں احادیث میں تعارض کا غلّ مچانے والے منکرینِ حدیث اور احناف پر مخالفتِ حدیث کے اِلزام کا ڈھنڈورا پیٹنے والے غیر مقلدین کا ناطقہ بند کرنے کے لیے بھی کافی ووافی ہے۔

کثرتِ اسانید، وَفُرتِ دلائل، نُدُرَتِ اِستدلال، قوّتِ فقاہت اور دِقّتِ ”نظر“ جیسی خوبیوں کے سبب یہ کتاب صدیوں سے اربابِ علم کی توجہات کا مرکز اور داخلِ نصابِ مدارس ہے۔

جامعہ غوثیہ نوریہ (سبزہ زار، لاہور) اور جامعہ نظامیہ رضویہ (اندرون لوہاری دروازہ، لاہور) میں تدریس کے دوران راقم الحروف کو طلبا کی کوتاہ ہمتی اور علمی اِنحطاط کے سبب ”طحاوی شریف“ کے خلاصہ کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی، جو بحمد اللہ تعالیٰ ترتیب کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خلاصہ کی ترتیب میں درج ذیل اُمور کو پیش نظر رکھا گیا ہے:

☆ ہر باب کے آغاز میں مرکزی نقطہ، پھر مرجوح اقوال اور اُن کے دلائل، پھر راجح قول اور اُس کے دلائل، پھر وجوہِ ترجیح اور نظر طحاوی اور آخر میں دلائلِ اقوالِ مرجوحہ کے جوابات وغیرہ تحریر کیے گئے ہیں۔

☆ سہولتِ حفظ کے پیشِ نظر خلاصہ کے تمام ابواب میں درج بالا ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، اگرچہ اصل کتاب کے بعض ابواب میں مذکورہ بالا اُمور تقدّم و تأخّر کے ساتھ ہیں۔

☆ حدیث طویل ہونے کی صورت میں محلّ استدلال کے عربی الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اور باقی کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔

☆ عربی یاد کرنے کی ترغیب کے لیے سہل مقامات پر محلّ اِستدلال کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

☆ اصل کتاب کی طرف رجوع میں سہولت کے لیے تمام احادیث کے ارقام (نمبرز) بمطابق مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور، مسطور ہیں۔

☆ جن ابواب میں امام طحاوی رحمہ اللہ الحاوی نے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے غیر مفتیٰ بہٖ قول یا دیگر ائمہ علیہم الرحمہ میں سے کسی کے قول کی ترجیح ثابت کی ہے، اُن میں احناف کے مفتیٰ بہٖ قول پر دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔

☆ موجودہ دور کے غیر مقلدین کے ساتھ مختلف فیہ مسائل میں ''طحاوی شریف'' کے علاوہ کتب سے بھی اِستفادہ کیا گیا ہے۔

☆ احناف کثّرھم اللہ تعالیٰ کے موقف کی وضاحت و تنقیح کے لیے فتاوٰی رضویہ (مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ) اور بہارِ شریعت (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، دعوتِ اسلامی) سے بھرپور اِستفادہ کیا گیا ہے۔

☆ متنِ حدیث سے متعلق برصغیر کے مطبوعہ نسخوں میں موجود اغلاط کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ نیز مکرّر پروف ریڈنگ کی گئی ہے، جس کے بعد اغلاط کے اِمکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

☆ مزید سہولت کے لیے کتاب کو رُموزِ ترقیم، جدید رسمِ اِملا، پیرا بندی اور مختلف فونٹز سے مزین کیا گیا ہے۔

راقم الحروف نے طحاوی شریف اُستاذ الاساتذہ، خطیبِ شہیر، علامہ محمد طاہر تبسم قادری مد ظلہ العالی سے پڑھنے کا اِعزاز حاصل کیا۔ اُنھوں نے محسنِ اہل سنت، شیخ العلما، مفتیٔ اعظم پاکستان، مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمہ اللہ الوالی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ کوشش کے باوجود یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اُنھوں نے طحاوی شریف کس سے پڑھی تھی، البتہ یہ امر بدیہی ہے کہ اُن کی ایک سندِ حدیث محدثِ اعظم پاکستان، مولانا محمد سردار احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وساطت سے اعلیٰ حضرت بریلوی قُدّس سرّہ العزیز تک پہنچتی ہے۔

علاوہ ازیں راقم الحروف کو شرفِ ملت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، آبروئے علم حکمت مولانا مفتی فیض احمد اُویسی، ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری اور صاحبِ اسانید مفتی علی احمد سندیلی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ شیخ الحدیث مولانا مفتی گل احمد عتیقی، جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث مولانا محمد عبد الستار سعیدی مدّ ظلہم العالی سے بھی علوم کی اِجازات حاصل ہیں۔ نیز ایک واسطہ سے تاج الشریعہ مولانا مفتی اختر رضا خان بریلوی مدّ ظلہ اور سید شاہ تراب الحق قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اجازات کا شرف ہے۔

خلاصہ کی تیاری اور دیگر کارہائے خیر بلاشبہ وبلامبالغہ توفیق وتائید الٰہی، نگاہِ مصطفیٰ ﷺ، توجہاتِ مشایخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور اساتذہ ووالدین اطال اللہ تعالیٰ عمرہم کی دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ (اِن اُمور سے متعلق میں اپنے جذبات الفاظ میں تحریر کرنے سے قاصر ہوں۔)

میں اپنے والدین، برادران اور دیگر تمام گھر والوں کا نہایت شکر گزار ہوں جو مجھے علمی مشاغل کے لیے حتی الامکان فارغ البال رکھتے ہیں، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ نیز عزیزم مولانا محمد بن تاج، عزیزم مولانا

محبوب حسین تونسوی اور دیگر معاونین کے لیے بھی دعا گو ہوں، جنہوں نے پروف ریڈنگ اور دیگر اُمور احسن طریقے سے سرانجام دیے۔

ارحم الراحمین جلّ جلالہٗ نسبتوں کے طفیل شرفِ قبول سے نوازے، لغزشوں سے درگزر فرمائے اور دارین میں نگاہِ کرم کا ذریعہ بنائے۔

غبارِ راہِ پیر سیال

شکور احمد ضیاء سیالوی

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۱۸ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ / 3 جولائی 2018ء

ترجمة الإمام الطحاوی

نوٹ: تنظیم المدارس (اہل سنت پاکستان) کے تحت ہونے والے امتحانات میں بعض اوقات امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات عربی میں لکھنے کا کہا جاتا ہے، اِس لیے اُن کے سوانح عربی میں پیش خدمت ہیں۔

اسمه: الإمام العلّامةُ أبو جعفرٍ أحمدُ بنُ محمّدِ بنِ سَلامةَ الأَزْدِيُّ الحَجْرِيُّ الطَّحَاوِيُّ.

ملاحظه: "طحا" قرية في جمهورية مصر العربية. و "أزْد" قبيلةٌ شهيرةٌ من قبائل يمن، وهو على فخذين: (1) الحَجْر. (2) شَنُوءَة.

ولادته: وُلِد في سنةِ تسعٍ وثلاثينَ ومائتَيْنِ. 239هـ. اختاره الشيخُ عبدُ العزيزِ الدهلويُّ رحمه الله تعالى، ورجَّحَ العينيُّ رحمه الله تعالى أنهٗ وُلد سنةَ تسعٍ وعشرين ومأتين. 229هـ

شيوخه: اشْتغَل بِالعلمِ أوّلًا عندَ خالِهِ أبي إبراهيمَ إسماعيلَ المُزَنِيّ، ثم ارتحَل إلى خَلْقٍ كثيرٍ. مِن مشايخِهٖ: عبدُ الغنيّ بنُ رِفاعةَ، وهارونُ بن سعيدٍ الأيليُّ، ويونسُ بنُ عبدِ الأعلى، وبحرُ بنُ نصرٍ الخَوْلَانيُّ، وغيرُهم. وتفقَّهَ بالقاضى أحمدَ بنِ أبي عمرانَ الحنفيّ. رحمهم الله تعالى.

تلامیذه: مِن تَلامِیذِهٖ :یوسفُ بن القاسِمِ المَیّانجیُّ، وأبو القاسِمِ الطَّبرانیُّ، وخلقٌ سواهما من الدَّمَاشِقَةِ، والمِصرِیِّینَ، والرَّحَّالینَ في الحدیث، بلغتْ عَدَدُهُم إلیٰ قریبٍ مِّن خمسینَ. رحمهم اللّٰه تعالیٰ.

مذهبه: تفقَّهَ أولًا علی خالِه المُزَنِیِّ، وسمعَ منه مرویَّاتِهٖ عن الشافعیِّ، وکان علی مذهبِهٖ ، ثم تحوَّل إلی مذهب الحنفیَّة فی سِنِّ العشرینَ مِن عُمره. ذَکَرَ أبو یعلی الحنبلیُّ رحمه اللّٰه تعالیٰ فی کتاب "الإرشاد" فی ترجمة المُزنیِّ: قالَ محمدُ بنُ أحمدَ الشُّرُوطیُّ رحمه اللّٰه تعالیٰ: قلتُ للطحاویِّ: لِمَ خَالَفْتَ خالَكَ واخترْتَ مذهبَ أبی حنیفةَ ؟ فقال: «لأنی کنتُ أریٰ خَالِی یُدیِمُ النَّظَرَ فی کُتُبِ أبی حنیفةَ ،فلذلك انتقلتُ إلیه.»

ثناءالعلماءعلیه: قال أبو سعید بن یونس رحمه اللّٰه تعالیٰ: کان ثقةً ثَبْتًا فقیهًا عاقلا، لم یُخَلِّفْ مِثْلَهٗ. وقال ابنُ کثیر فی "البدایة والنهایة": الفقیهُ الحنفیُّ، صاحبُ التصانیفِ المفیدةِ، والفوائدِ الغزیرةِ، وهو أحدُ الثِّقَاتِ الأَثْبَاتِ ، والحُفَّاظِ الجَهَابِذَةِ. وقال ابن الجوزی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی "المنتظم": کان الطحاویُّ ثَبْتًا ، فَقِیْهًا ، عَاقِلًا. وقال السیوطیُّ رحمه اللّٰه تعالیٰ فی "طبقاتِ الحُفَّاظِ": الإمامُ العلّامةُ الحافِظ ، صاحِبُ التصانیفِ البدیعةِ. وقال الذَّهَبِیُّ رحمه اللّٰه تعالیٰ: مَنْ نَظَرَ فی تَوَالِیْفِ هذا الإمامِ عَلِمَ مَحَلَّهٗ من العلمِ، وَسِعَةَ مَعَارِفِهٖ.

تالیفاته: له العدیدُ من التصانیف، منها:

أحکامُ القرآن (علی نحوِ عشرین جزءً). اختلافُ العلماء (علی نحو مأةٍ وثلاثین جزءً).

بیان السُنة والجماعة فی العقائد. حکمُ أراضِی مکةَ المکرمةِ. شرحُ الجامعِ الصغیرِ والکبیرِ (للشَّیْبَانِیّ فی الفروع). عقودُ المَرجانِ فی مناقب أبی حنیفةَ النعمانِ. الفرائض . قسمةُ الفیء والغنائمِ. کتاب التاریخ. کتاب التسویة بین حدَّثنا وأخبرنا. کتاب الخطابات. کتاب الشروطِ الصغیر. کتاب الشروطِ الکبیر. کتاب المَحَاضِر والسِّجِلّاتِ. المُحاضرات. المختصر فی الفروع. المِشْکاة. معانی الآثار (فی الآثار المأثورة عن النبی ﷺ فی الأحکام). نوادرُ الفقه. نوادرُ القرآن، وغیر ذلك.

وفاته: تُوُفِّیَ رحمه الله تعالی لیلةَ الخمیسِ مُسْتَهِلَّ ذی القِعدةِ سنةَ إحدٰی وعشرینَ وثلاثِ مائةٍ. 321ھ.

وللمزید انظر: تذکرة الحفاظ (3/809 810)، سیر أعلام النبلاء (15/3327)

اعتناء العلماء بشرح معانی الآثار

لقد اعتنى العلماء بشرح معانی الآثار، کمایلی:

☆ خرّج أحاديثه الحافظ محی الدين أبو محمد عبد القادر الحنفی (المتوفی سنة 775هـ) رحمه الله تعالٰی فی کتابه: "الحاوی فی بيان آثار الطحاوی"، ولم يتمّه. طبع الموجود منه فی دار الکتب العلمية فی ثلث مجلدات.

☆ ولأبی محمد بدر الدين محمود العينی (المتوفی: سنة 855) رحمه الله تعالٰی کتابٌ فی رجاله "مغانی الأخيار فی رجال معانی الآثار" وقيل: "مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار"، وکتاب فی شرح آثارِه "نُخَبُ الأفکار في تنقيح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار".

☆ وللشيخ قاسم بن قطلوبغا الحنفی (المتوفی: سنة 879) رحمه الله تعالٰی کتاب فی رجاله سمّاه "الإيثار برجال معانی الآثار".

☆ ولمحمد يوسف الکاندهلوی کتاب "أمانی الأحبار فی شرح معانی الآثار"، لم يتمّه، طبع الموجود منه فی اربعة اجزاء.

☆ صدرت رسالة من تأليف خالد بن محمد الشرمان بعنوان: "الصناعة الحديثية فی کتاب شرح الآثار لأبی جعفر أحمد بن محمد الطحاوی"، نشرتها مکتبة الرشد الطبعة الأولی 1424،

کما صدر حديثًا کتاب بعنوان "مسند الطحاوی" تأليف: لطيف الرحمن البهرائی. ضمّنه مؤلفه ثمانية کتب من مؤلفات الطحاوی من بينها "شرح المعانی" صدر عن مکتبة الحرمين دبئی/ سنة 1426

خصوصیاتِ شرح معانی الآثار

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب متعدد اُمور کے سبب دیگر کتبِ احادیث سے منفرد اور ممتاز ہے:

1) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں متعدد ایسی احادیث ہیں جو دیگر کتب میں موجود نہیں۔

2) وہ کثرت کے ساتھ اسانید ذکر فرماتے ہیں، جس کے متعدد فوائد ہیں:

اَ. طالبِ حدیث کو اِسناد سے متعلق اہم نکات معلوم ہوتے ہیں۔

ب. کثرتِ اسانید کی وجہ سے حدیث کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

ج. بعض اوقات دیگر کتب میں سند ضعیف ہوتی ہے، مگر امام طحاوی کی سند قوی ہوتی ہے۔

3) اُن کی کتاب سے طالبِ حدیث کو متن سے متعلق بھی کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: دیگر کتب کی مختصر احادیث طوالت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں۔اِسی طرح اجمال کی تفسیر اور اطلاق کی تقیید کا علم حاصل ہوتا ہے۔

4) وہ احادیث نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اُن میں تطبیق اور ناسخ و منسوخ کی تعیین کرتے ہیں۔

5) ایک ہی باب میں احادیثِ مرفوعہ، آثارِ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی فقہی آراء کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

6) فقہی ترتیب کے مطابق ابواب بندی کے ساتھ ساتھ احادیث مبارکہ سے نہایت عمدہ نکات کا استنباط کرتے ہیں۔

7) اپنے دلائل کے ساتھ ساتھ مخالفین کے دلائل کو بھی ذکر کرتے ہیں اور پھر فقہ حنفی کی ترجیح ثابت کرتے ہیں۔

8) احادیث ذکر کرنے کے بعد راجح موقف پر ''نظر'' کے عنوان سے ایک نہایت عمدہ اُصولی دلیل بھی پیش کرتے ہیں، جس کے ذریعے ثابت ہوتا ہے کہ راجح موقف متفقہ اُصول کے مطابق ہے۔

یہ دلیل بظاہر قیاس ہوتی ہے، مگر حقیقت میں احناف کے اِس ضابطہ پر عمل ہوتا ہے کہ ''دلائل میں اختلاف ہو تو اُنھیں قرآن و سنت سے ماخوذ اُصول پر پیش کیا جائے گا، جو اُصول کے موافق ہو وہ راجح ہے۔''

کتاب الصلاۃ

باب الأذان کیف هو

اذان کے کلمات کی تعداد میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اذان کے کلمات سترہ ہیں۔ شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہا جائے گا اور ترجیع بھی کی جائے گی، یعنی أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہنے کے بعد اِنھیں دُہرایا جائے گا۔

دلیل: سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ الْأَذَانَ كَمَا تُؤَذِّنُونَ الْآنَ. اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ». (حدیث:773)

مجھے رسول اللہ ﷺ نے اِسی طرح اذان تعلیم فرمائی جیسے تم اب اذان کہتے ہو، اللّٰہ أکبر آخر تک۔

دوسرا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اذان کے کلمات اُنیس ہیں۔ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہا جائے گا اور شہادتین میں ترجیع بھی کی جائے گی۔

دلیل: سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ الحديث.» (حدیث:776)

”بے شک نبی کریم ﷺ نے اُنھیں اذان سکھائی، اُنیس کلمات، اللّٰہ أکبر آخر تک“

نظر طحاوی: اذان کے کچھ کلمات دو مقامات پر ہیں، مثلاً: ''لا الٰہ الا اللہ''، اور کچھ کلمات ایک ہی مقام پر ہیں، مثلاً: حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ جو کلمات دو مقامات پر ہیں وہ دوسرے مقام پر پہلے سے نصف ہوتے ہیں۔ بالاتفاق اذان کے آخر میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہا جائے گا تو دیگر کلمات پر قیاس کا تقاضا ہے کہ اذان کے شروع میں اِسے چار مرتبہ کہا جائے۔

تیسرا قول: احناف اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ ہیں۔ شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہا جائے گا اور شہادتین میں ترجیع خلاف سنت، مکروہ تنزیہی ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں فرشتے کو اِسی طرح اذان کہتے ہوئے سنا، صبح سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«نِعْمَ مَا رَأَيْتَ عَلِّمْهُ بِلَالًا.» (حدیث:780)

''کیا ہی اچھا ہے جو تم نے دیکھا! یہ بلال کو سکھاؤ۔''

نظر طحاوی: بالاتفاق شہادتین کے علاوہ کلمات میں ترجیع نہیں ہے۔ اُن پر قیاس کا تقاضا ہے کہ شہادتین میں ترجیع مسنون نہ ہو۔

وجوہ ترجیح وجوابات:

(1) سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ کفر کی وجہ سے شہادتین بلند آواز کے ساتھ کہنے میں ہچکچا رہے تھے، اِس لیے آپ ﷺ نے اُنھیں دوبارہ بلند آواز سے شہادتین کہنے کا حکم فرمایا۔ جیسا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ نکلا، ہم راستہ میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے آپ کے پاس نماز کے لیے اذان کہی، ہم نے اِعراض کرتے ہوئے مؤذن کی آواز سنی تو بطورِ استہزاء و مذاق اُس کی نقل اُتارنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سن لیا اور ہماری

طرف کچھ افراد بھیجے، اُنھوں نے ہمیں آپ ﷺ کے سامنے بٹھادیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "أَيُّكُمُ الَّذِي سَمِعْتُ صَوْتَهُ قَدِ ارْتَفَعَ؟ "(میں نے تم میں سے کس کی آواز کو بلند ہوتے سنا؟)سب نے میری طرف اشارہ کیا اور اُنھوں نے درست کہا۔ آپ ﷺ نے سب کو واپس بھیج دیا اور مجھے بٹھالیا۔ پھر فرمایا:"اُٹھ کر اذان کہو۔" ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

فَقُمْتُ وَلَا شَيْءَ أَكْرَهُ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَا مِمَّا يَأْمُرُنِي بِهِ....(ابن ماجہ)

میں کھڑا ہوا اور مجھے آپ ﷺ اور آپ نے جس بارے حکم فرمایا تھا، سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں تھی۔

چنانچہ اُنھوں نے مجبوراً اذان کہی اور شہادتین کو درست طریقہ سے بآوازِ بلند ادا نہ کیا تو آپ ﷺ نے اُنھیں دوبارہ بلند آواز سے شہادتین کہنے کا حکم فرمایا۔ امام ابو داود نے درج ذیل الفاظ نقل کیے ہیں:

ثُمَّ ارْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ. اور امام نسائی نے نقل کیا: ارْجِعْ فَامْدُدْ صَوْتَكَ.

(2) رئیس المؤذنین سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ترجیع نہیں کرتے تھے۔

(3) اہل مدینہ کا عمل عدمِ ترجیع پر ہے۔

نوٹ: احناف کے نزدیک ترجیع مکروہ تنزیہی ہے ۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: فَالْكَرَاهَةُ الْمَذْكُورَةُ تَنْزِيهِيَّةٌ.(رد المحتار)

باب الإقامة كيف هي

کلماتِ اقامت کی تعداد میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِقامت کے تمام کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جائیں گے، یوں اقامت کے کلمات کی تعداد دس ہے۔

دلیل: سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ.» (حدیث:782)

"سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات جُفت (دو دو مرتبہ) اور اِقامت کے کلمات طاق (ایک ایک مرتبہ) کہیں۔"

دوسرا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ کہا جائے گا، یوں اقامت کے کلمات کی تعداد گیارہ ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ إِلَّا الْإِقَامَةَ.» (حدیث:789)

"سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان کے کلمات جُفت (دو دو مرتبہ) اور اِقامت کے کلمات طاق (ایک ایک مرتبہ) کہیں، سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے (اِسے دو مرتبہ کہنے کا حکم فرمایا گیا)"

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً، غَيْرَ أَنَّهُ إِذَا قَالَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ، فَعَرَفْنَا أَنَّهَا الْإِقَامَةُ، فَيَتَوَضَّأُ أَحَدُنَا، ثُمَّ يَخْرُجُ.»

(حدیث:792)

”رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ پاک میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ اور اِقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے، مگر جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہتا تو اِسے دو مرتبہ کہتا، ہمیں معلوم ہو جاتا کہ یہ اِقامت ہے، ہم میں سے کوئی (اگر کبھی باوضو نہ ہوتا تو) وُضو کرتا پھر مسجد چلا جاتا۔“

نظر: اذان کے جو کلمات دو جگہوں پر ہیں وہ دوسری جگہ پہلی سے نصف ہوتے ہیں۔ چونکہ اقامت کے بقیہ تمام کلمات اذان میں موجود ہیں؛ لہٰذا اُنھیں اذان سے نصف یعنی ایک بار کہا جائے گا، اور **قد قامت الصلوة** اذان میں نہیں؛ لہٰذا اِسے دو بار کہا جائے گا۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اقامت کے تمام کلمات دو دو مرتبہ کہے جائیں گے، یوں اقامت کے کلمات کی تعداد سترہ ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں فرشتے کو اِسی طرح اقامت کہتے ہوئے سنا، پھر اُنھوں نے آپ ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اِسی طرح سکھایا اور اُنھوں نے اِسی طرح اقامت کہی۔ راوی کہتے ہیں:

«فَأَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی، وَأَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی، وَقَعَدَ قَعْدَةً.» (حدیث:794)

”اُنھوں نے دو دو مرتبہ اذان کے کلمات کہے اور دو دو مرتبہ اِقامت کے کلمات کہے، اور درمیان میں بیٹھے۔“

چنانچہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی حضرت بلال اِسی طرح اقامت کہتے تھے۔ حضرت اسود بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے روایت کیا:

«أَنَّهٗ كَانَ يُثَنِّي الْأَذَانَ وَيُثَنِّي الْإِقَامَةَ.» (حدیث:796)

”وہ اذان واِقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔“

☆ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

« عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً.» (حدیث:804)

”بے شک رسول اللہ ﷺ نے مجھے اِقامت سکھائی، سترہ کلمات، آخر تک“

☆ سیدنا سلَمہ بن اکوع، سیدنا ثوبان اور سیدنا ابو محذورہ علیہم الرضوان سے بھی مروی ہے کہ وہ اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔(حدیث:805 تا 807)

وجوہ ترجیح: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف متعدد وجوہ سے راجح ہے:

1) شروع والے دور سے متعلق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ منقول ہیں، بعد میں اُن سے دو مرتبہ کہنا ہی منقول ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلے بھی اُنھیں یہی حکم دیا گیا تھا۔

2) سیدنا ابو محذورہ کی حدیث سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث سے متأخر ہے، کیونکہ وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔

3) دو مرتبہ کہنے والی احادیث میں ایک مرتبہ کہنے والی احادیث پر اِضافہ ہے، اور ثقہ راویوں کا اِضافہ مقبول ہوتا ہے۔

شوافع کی نظر کا جواب: ☆ اقامت اذان کے تابع نہیں بلکہ مستقل ندا ہے، کیونکہ اذان غائبین کے لیے ہے اور اِقامت حاضرین کے لیے ہے۔ وہ اذان سے نصف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقامت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اُسی طرح ہے جس طرح اذان میں تھا۔

اشکال: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو اس لیے نصف نہیں کیا گیا کہ اس کی تنصیف ممکن ہی نہیں؛ لہٰذا یہ استدلال درست نہیں۔

جواب: بالاتفاق اقامت کے آخر میں اللّٰہ أکبر دو بار کہا جاتا ہے اور اذان سے نصف نہیں کیا جاتا، اس کلمہ کو تنصیف ممکن ہونے کے باوجود نصف نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ بقیہ اقامت بھی نصف اور اذان کے تابع نہیں۔

باب قول المؤذّن فی أذان الصبح «الصلوۃ خیر من النوم»

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کا اِضافہ مستحب ہے یا مکروہ۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی اذان بھی بقیہ اذانوں کی طرح ہے۔ اس میں "الصلوۃ خیر من النوم" کا اِضافہ مکروہ ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن زید وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں اِس کا ذکر نہیں ہے۔

دوسرا قول: احناف، موالک اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی اذان میں اِن کلمات کا اضافہ مستحب ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: "صبح کی اذان میں فلاح کے بعد "الصلوۃ خیر من النوم" کہنا مستحب ہے۔"(بہار شریعت:1/470)

دلائل: ☆ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهُ فِي الْأَذَانِ الْأَوَّلِ مِنَ الصُّبْحِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ.» (حدیث:808)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كَانَ فِي الْأَذَانِ الْأَوَّلِ بَعْدَ الْفَلَاحِ الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ، الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ.» (حدیث:810)

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ التَّثْوِيبُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ إِذَا قَالَ: الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ: الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ.» (حدیث:812)

وجہ ترجیح: مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس اِضافہ کا حکم دیا اور یہ حکم متأخر ہے جس پر بعد میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ہے؛ لہٰذا یہ ناسخ ہے۔

باب التأذين للفجر أيَّ وقت هو بعد طلوع الفجر أو قبل ذٰلك

طلوع فجر سے پہلے فجر کی اذان جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے فجر کی اذان کہی جاسکتی ہے۔ پھر اُن کے اقوال میں تفصیل ہے:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف رات گزر جانے کے بعد فجر کی اذان کہنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کے لیے دو اذانیں مسنون ہیں: ایک نصف رات گزر جانے کے بعد اور دوسری طلوع فجر کے بعد۔ امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک رات کے آخری چھٹے حصے میں اذان کہنا مندوب ہے، پھر طلوع فجر کے بعد اس کا اعادہ مستحب ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ.» (حدیث:813)

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اِسی طرح نقل کیا۔ (حدیث:822)

☆ سیدنا سمرہ بن جُندُب نبی رحمت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«لَا يَغُرَّنَّكُمْ نِدَاءُ بِلَالٍ، وَلَا هٰذَا الْبَيَاضُ حَتّٰى يَبْدُوَ الْفَجْرُ أَوْ يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ.»

(حدیث:826)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیگر نمازوں کی طرح فجر کی اذان بھی وقت داخل ہونے

کی بعد ہی کہی جائے گی، وقت سے پہلے جائز نہیں۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: "قبل از وقت کہی گئی یا وقت ہونے سے پہلے شروع ہوئی اور اثنائے اذان میں وقت آگیا، تو اِعادہ کی جائے۔" (بہار شریعت، ص:465)

دلائل: ☆ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ بِالْفَجْرِ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ وَحَرَّمَ الطَّعَامَ، وَكَانَ لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يُصْبِحَ.» (حدیث:834)

☆ حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: "آپ وتر کس وقت ادا کرتی ہیں؟" اُنھوں نے فرمایا: "جب مؤذن (فجر کی) اذان کہتا ہے۔" حضرت اسود فرماتے ہیں:

«وَإِنَّمَا كَانُوا يُؤَذِّنُونَ بَعْدَ الصُّبْحِ.» (حدیث:838)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ بِلَالًا أَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَرْجِعَ فَنَادٰى: أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ، فَرَجَعَ فَنَادٰى: أَلَا إِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ.» (حدیث:833)

☆ سیدنا مالک بن حُویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واپسی پر آپ ﷺ نے اُنھیں فرمایا:

«ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.» (بخاری)

☆ حضرت سفیان بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک شخص نے کہا:

«إِنِّي أُؤَذِّنُ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ لِأَكُونَ أَوَّلَ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ السَّمَاءِ بِالنِّدَاءِ.»

تو حضرت سفیان نے فرمایا: «لَا، حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ.» (حدیث:839)

☆ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو رات کے وقت اذان کہتے سنا تو فرمایا:

«أَمَّا هٰذَا فَقَدْ خَالَفَ سُنَّةَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، لَوْ كَانَ نَائِمًا كَانَ خَيْرًا لَهُ فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ، أَذَّنَ» (حدیث:840)

نظر طحاوی: بالاتفاق ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی اذان وقت سے پہلے کہنا درست نہیں؛ لہٰذا مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ فجر کی اذان بھی وقت سے پہلے کہنا درست نہ ہو۔

وجہ ترجیح: سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان میں دو احتمالات ہیں:

1) فجر کے لیے نہیں کہتے تھے۔ اس صورت میں بھی ہمارا موقف ثابت ہے۔

2) فجر کے لیے کہتے تھے۔ اِس صورت میں دلائل متعارض ہیں اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث راجح ہے، کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطا ہو جانے کی روایات بھی منقول ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے استدلال کے جوابات: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات سے استدلال کیا ہے، جس کے متعدد جوابات ہیں:

1) سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان فجر کے لیے نہیں تھی، جیسا کہ حدیث: 831 میں ہے۔ یہی وجہ کہ جب ایک مرتبہ اُنھوں نے فجر کے لیے اذان کہی اور غلطی سے وقت سے پہلے کہہ دی تو آپ ﷺ نے اس کے بارے اعلان کرنے کا حکم فرمایا۔ (حدیث:833)

2) اُن کی اذان فجر کے لیے ہی تھی اور وہ طلوع فجر کے بعد ہی اذان کا قصد کرتے تھے، مگر ان کی اذان کے بعد کھانے، پینے کی اِجازت اِس لیے تھی کہ نظر کی کمزوری کے باعث اُن سے طلوع فجر کی تحقیق میں خطا ہو جاتی تھی، جیسا کہ حدیث: 836 و837 میں ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دونوں حضرات کی اذانوں کے درمیان مختصر وقفہ ہوتا تھا۔ (حدیث:822)

باب الرجلين يؤذّن أحدهما ويُقيم الآخر

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ غیر مؤذن کے لیے اِقامت کہنا جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اذان کہی وہی اِقامت کہے، دوسرے کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔

دلیل: سیدنا زیاد بن حارث صُدائی فرماتے ہیں:

"أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا كَانَ أَوَّلُ الصُّبْحِ أَمَرَنِي فَأَذَّنْتُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ فَجَاءَ بِلَالٌ لِيُقِيمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ أَذَّنَ، وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ.»

(حدیث:841)

دوسرا قول: احناف اور مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے شخص کے لیے اقامت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ احناف کے نزدیک اگر مؤذن موجود ہو تو یہ ضروری ہے کہ دوسرے کے اقامت کہنے سے مؤذن کی دل آزاری نہ ہو۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

"جس نے اَذان کہی، اگر موجود نہیں، تو جو چاہے اِقامت کہہ لے اور بہتر امام ہے اور مؤذن موجود ہے، تو اس کی اجازت سے دوسرا کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی کا حق ہے اور اگر بے اجازت کہی اور مؤذن کو ناگوار ہو، تو مکروہ ہے۔"

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں فرشتے نے اذان سکھائی، اُنھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا، ازاں بعد سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اِقامت کہنے کا حکم فرمایا۔(حدیث:843)

نظر طحاوی: بالاتفاق دو افراد کا مل کر ایک اذان کہنا جائز نہیں۔یعنی اگر ایک نے اذان کے کچھ کلمات کہے اور مکمل نہ کر سکا تو دوسرا از سر نو شروع کرے، وہیں سے تکمیل نہ کرے۔(دیکھیے: بہار شریعت، ج:1، ص:467)

اب غور طلب بات ہے کہ اذان کا اقامت کے ساتھ بھی ایسا ہی تعلق ہے یا اذان و اقامت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور اِنھیں دو افراد کہہ سکتے ہیں؟ اذان و اِقامت نماز کے اسباب میں سے ہیں اور جمعہ میں ان کے ساتھ ساتھ خطبہ بھی ضروری ہے، البتہ خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط ہے اور اس کے بغیر نماز جمعہ باطل ہے؛ لہٰذا ابلاوجہ خطیب اور امام الگ الگ ہونا درست نہیں، جب کہ اقامت نماز کے لیے لازم نہیں، یہی وجہ ہے غیر امام اقامت کہہ سکتا ہے۔ جب غیر امام اقامت کہہ سکتا ہے تو غیر مؤذن بدرجۂ اولیٰ کہہ سکتا ہے، کیونکہ اقامت و نماز میں فاصلہ نہیں، جب کہ اقامت و اذان میں فاصلہ ہے۔

وجہ ترجیح وجواب: حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کی سند حضرت صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کی سند سے قوی ہے۔ نیز آپ ﷺ نے "**من أذّن فھو یُقیم**" شرعی قانون کے طور پر نہیں، سیدنا صدائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا۔(نخب الافکار)

باب ما يستحبّ للرجل أن يقوله إذا سمع الأذان

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ دوران اذان "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں کیا کلمات کہنا سنت ہے۔

پہلا قول: امام نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اذان سننے والا تمام کلمات کے جواب میں وہی کلمات دہرائے، جو مؤذن کہتا ہے۔

دلیل: متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ.»

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ تَعَالٰى لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلٌ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُو، فَمَنْ سَأَلَ اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ.» (حدیث:847)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب مؤذن "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کہے تو اذان سننے والا جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

"جب اَذان سُنے تو جواب دینے کا حکم ہے، یعنی مؤذن جو کلمہ کہے اُس کے بعد سُننے والا بھی وہی کلمہ

کہے، مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کہے، بلکہ اتنا لفظ اور ملالے مَا شَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ۔"

(بہار شریعت، ج:1، ص:472)

نوٹ: شرح معانی الآثار کے محشی نے بعض ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ سننے والا حَیْعَلَتَیْن کے جواب میں وہی کلمات کہے، مگر علامہ عبد الرحمن الجیزی نے الفقه علی المذاهب الأربعة میں لکھا کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے راجح اقوال کے مطابق حَیْعَلَتَیْن کے جواب میں لا حول ولا قوۃ ہی کہا جائے گا۔ یوسف کاندھلوی نے امانی الاحبار میں بھی ایسا ہی نقل کیا۔

دلائل: ☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کا ارشاد نقل کیا:

«إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ: أَحَدُكُمُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، ثُمَّ قَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، فَقَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، ثُمَّ قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، ثُمَّ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ.» (حدیث:853)

☆ سیدنا ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ، وَإِذَا قَالَ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.» (حدیث:854)

☆ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اِسی طرح اذان کا جواب دیا اور فرمایا: «هٰكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ يَقُولُ.» (حدیث:855)

جواب: "إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ" سے مراد ہے کہ تکبیر اور شہادتین کے جواب میں وہی کلمات کہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«إِذَا تَشَهَّدَ الْمُؤَذِّنُ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ.» (حدیث:852)

وجہ ترجیح: اذان کے جواب سے ذکر مقصود ہے؛یہی وجہ ہے کہ روایات میں جواب سے متعلق مختلف الفاظ مروی ہیں، جیسا کہ حدیث: 859، 862، 863، 864 سے واضح ہے۔ مؤذن حیعلتین کے ساتھ نماز کی دعوت دیتا ہے، جب کہ جواب دینے والے کا مقصود ذکر ہے، نظر کا تقاضا ہے کہ سننے والا ایسے کلمات کہے جو ذکر پر مشتمل ہیں۔

جوابِ اذان کی فقہی حیثیت

پہلا قول: اہل ظاہر اور بعض احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

دلیل: متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعا مروی ہے: «إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ.» اِن احادیث میں "فَقُولُوا" امر ہے، جو کہ وجوب کے لیے ہے۔

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ اور احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے راجح قول کے مطابق اذان کا جواب مستحب ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

وَالَّذِي يَنْبَغِي تَحْرِيرُهُ فِي هٰذَا الْمَحَلِّ أَنَّ الْإِجَابَةَ بِاللِّسَانِ مُسْتَحَبَّةٌ، وَأَنَّ الْإِجَابَةَ بِالْقَدَمِ وَاجِبَةٌ إِنْ لَزِمَ مِنْ تَرْكِهَا تَفْوِيتُ الْجَمَاعَةِ، وَإِلَّا بِأَنْ أَمْكَنَهُ إِقَامَتُهَا بِجَمَاعَةٍ ثَانِيَةٍ فِي الْمَسْجِدِ أَو بَيْتِهِ لَا تَجِبُ، بَلْ تُسْتَحَبُّ مُرَاعَاةً لِأَوَّلِ الْوَقْتِ وَالْجَمَاعَةِ الْكَثِيرَةِ فِي الْمَسْجِدِ بِلَا تَكْرَارٍ، هَذَا مَا ظَهَرَ لِي. (رد المحتار)

یعنی زبان سے جواب دینا مستحب ہے، اور عملی طور پر جواب دیتے ہوئے جماعت میں حاضر ہو جانا واجب ہے۔ البتہ وہ شخص دوبارہ جماعت قائم کرنے پر قادر ہو تو عملی جواب دیتے ہوئے جماعت میں شریک ہونا بھی مستحب ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَسَمِعَ مُنَادِيًا وَهُوَ يَقُولُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى الْفِطْرَةِ»، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَرَجَ مِنَ النَّارِ»، قَالَ: فَابْتَدَرْنَاهُ، فَإِذَا هُوَ صَاحِبُ مَاشِيَةٍ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَنَادٰى بِهَا.» (حدیث:865)

آپ ﷺ نے اذان سن کر جواب والے کلمات نہیں کہے، معلوم ہوا کہ جواب واجب نہیں۔

باب مواقیت الصلاۃ

وقت فجر

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے راجح اقوال کے مطابق فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک ہے۔

وقت ظہر

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے جب کہ آخری وقت سے متعلق اختلاف ہے:

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب چیزوں کا سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو تا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اِسے ہی اختیار کیا ہے۔

دلائل: باب کے شروع میں مذکور تمام احادیث میں ہے کہ دوسرے دن نماز ظہر اِسی وقت میں ادا کی گئی۔

دوسرا قول: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جب چیزوں کا سایہ دو مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو تا ہے۔

دلائل: امام صاحب کے موقف پر متعدد دلائل ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ؛ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.» (متفق علیہ)

☆ سیدنا بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوقات نماز کے بارے جو حدیث نقل کی اُس میں درج ذیل الفاظ ہیں:

«فَلَمَّا كَانَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي أَمَرَهُ، فَأَذَّنَ لِلظُّهْرِ، فَأَبْرَدَ بِهَا، فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا.»

(شرح معانی الآثار، رقم:874، ورواہ مسلم ایضا)

☆ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مؤذن نے اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے اُسے فرمایا: «أَبْرِدْ» (ٹھنڈا کرو، یعنی تپش کم ہونے کا انتظار کرو)۔ اُس نے (کچھ دیر بعد) پھر اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَبْرِدْ» اُس نے (کچھ وقفہ کے بعد) پھر اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَبْرِدْ» سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «حَتّٰى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.» (بخاری)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا:

"مشاہدۂ شاہد اور قواعدِ علم ہیأت گواہ، اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں، معدوم محض ہوتا ہے، خصوصاً اقلیم ثانی میں، جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں۔ امام نووی شافعی وامام قسطلانی شافعی نے فرمایا: "ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیا کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں۔ تو زوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے۔" ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں۔ اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا۔" (فتاوی رضویہ: 9/134)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: گزشتہ اُمتوں کی عمروں کے مقابل تمہاری عمر اتنی ہے جتنا نمازِ عصر اور غروب شمس کا درمیانی وقت ہے۔ اور تمہاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ مزدوروں سے کام کرایا تو اُنھیں کہا: کون ہے جو نصف دن (دوپہر) تک میرا کام کرے ایک ایک قیراط اُجرت کے ساتھ؟ تو یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط اُجرت کے ساتھ کام کیا۔ پھر مالک نے کہا: کون ہے جو دوپہر سے نمازِ عصر تک میرا کام کرے ایک ایک قیراط کے ساتھ؟ تو نصاریٰ نے دوپہر سے نمازِ عصر کی نماز تک ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ پھر مالک نے کہا:

«مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ ؟ أَلَا فَأَنْتُمُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلَى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ ، أَلَا لَكُمُ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ . »

تو یہود و نصاریٰ غصے میں آکر کہنے لگے: ہمارا کام زیادہ ہے اور ہماری اُجرت کم ہے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کیا میں نے تمہارے حق میں کچھ کمی کی؟“ کہنے لگے: ”نہیں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: «فَإِنَّهُ فَضْلِي أُعْطِيهِ مَنْ شِئْتُ . » یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہوں عطا کروں۔ (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

☆ حضرت عبد اللہ بن رافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے اوقات کے بارے دریافت کیا تو اُنھوں نے فرمایا:

«أَنَا أُخْبِرُكَ ، صَلِّ الظُّهْرَ ، إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ . وَالْعَصْرَ ، إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ . »

(مؤطا امام مالک)

جوابات: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے استدلالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) وہ احادیث منسوخ ہیں۔

2) مذکورہ بالا احادیث اُن کے معارض ہیں، اور اِنھیں ترجیح حاصل ہے، کیونکہ مثل ثانی میں شک واقع ہُوا کہ یہ وقت ظہر ہے یا وقت عصر؟ اور اس سے پہلے وقت ظہر بالیقین ثابت تھا تو شک کے سبب خارج نہ ہو گا، اور وقتِ عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہو گا۔ (ملخص از فتاویٰ رضویہ: 9/135)

3) احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے دن نماز ظہر ایک مثل ہونے پر ادا کی۔ اگر آخری وقت ایک مثل ہوتا تو اس وقت نماز ادا کرنا درست نہ ہوتا۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باب کے شروع میں مذکور احادیث میں ایک مثل ہونے پر ظہر پڑھنے سے مراد ہے: ''ایک مثل ہونے کے قریب تھا جب ظہر ادا کی۔'' جیسا کہ آیت کریمہ: "وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (البقرہ:231) سے مراد ہے: ''طلاق کے بعد جب اُن کی عدت پوری ہونے کے قریب ہو تو تمھیں اختیار ہے کہ بھلائی کے ساتھ روک لو یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔''

مذکورہ توجیہ پر کئی طرح سے استدلال کیا جا سکتا ہے:

1) احادیث میں مذکور ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے پہلے دن نماز عصر ایک مثل ہونے پر ادا کی، ازاں بعد یہ بھی فرمایا: "مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ وَقْتٌ." یعنی پہلے اور دوسرے دن جن اوقات میں نمازیں ادا کی گئیں ان کا درمیانی وقت نمازوں کا وقت ہے۔

اگر قرب مراد نہ لیا جائے تو لازم آئے گا کہ پہلے دن عصر اور دوسرے دن ظہر ایک ہی وقت میں ادا فرمائی۔

2) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا: ثُمَّ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتَّى كَانَ قَرِيبًا مِنَ الْعَصْرِ. (حدیث:873)

3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الظُّهْرِ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَدْخُلُ وَقْتُ الْعَصْرِ.» (حدیث:875)

وقتِ عصر

عصر کے ابتدائی وقت سے متعلق اختلاف وہی ہے جو ظہر کے اختتامی وقت میں مذکور ہوا۔ اِس کے آخری وقت سے متعلق اختلاف درج ذیل ہے:

پہلا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب چیزوں کا سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

دلائل: آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور جبریل امین علیہ السلام نے دوسرے دن اِسی وقت میں امامت کروائی۔ جیسا کہ باب کے شروع میں مذکور احادیث سے واضح ہے۔

دوسرا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب سورج زرد ہونا شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی اختیار کیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج زرد ہونے کے ساتھ وقتِ اختیاری ختم ہو جاتا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوَّلًا وَآخِرًا، وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْعَصْرِ حِينَ يَدْخُلُ وَقْتُهَا، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ.» (رقم:876)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رحمتِ عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ.» (حدیث:877)

☆ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ جانِ جہاں صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے سورج زرد ہونے کے وقت نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نُنْهَى عَنِ الصَّلَاةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَعِنْدَ غُرُوبِهَا، وَنِصْفِ النَّهَارِ» (حدیث:883)

شوافع کے دلائل کا جواب: آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے دوسرے دن چیزوں کا سایہ دو مثل ہو جانے پر نماز عصر اِس لیے ادا فرمائی کہ اِس وقت عصر کا افضل وقت ختم ہو جاتا ہے، وقتِ جواز اگرچہ باقی ہے۔ جیسا کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ وَلَمْ تَفُتْهُ، وَلَمَا فَاتَهُ مِنْ وَقْتِهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ.»

نوٹ: امام عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنف میں یہ حدیث سیدنا طلق بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی، جس کے الفاظ یہ ہیں: «إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ إِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيُصَلِّي، وَلَمَا فَاتَتْهُ مِنْ وَقْتِهَا خَيْرٌ لَهُ مِنْ مِثْلِ أَهْلِهِ وَمَالِهِ.» (المصنف:2225)

نظر طحاوی: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے کہ جس طرح طلوع شمس کے وقت اُس دن کی فجر ادا کرنا جائز نہیں، اگر شروع کر رکھی ہو تو طلوع شمس کے ساتھ ہی باطل ہو جاتی ہے، اِسی طرح غروب شمس کے وقت اُس دن کی عصر ادا کرنا جائز نہیں، اگر شروع کر رکھی ہو تو باطل ہو جاتی ہے۔ اِس پر اُنھوں نے درج ذیل نظر پیش کی:

جس وقت میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہو اُس میں قضا پڑھنا درست ہوتا ہے، خواہ نوافل کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ جب سورج زرد ہونے کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ کسی بھی نماز کا وقت نہیں ہے۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کا اختتامی وقت غروب شمس ہے۔ البتہ اُسے سورج زرد ہونے تک مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ.» (رقم:882،881)

نوٹ: اِس حدیث کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ایک رکعت کے بعد سورج طلوع ہو جائے تو نماز فجر تام ہو گئی۔ یہ معنی کسی بھی امام کے نزدیک مراد نہیں۔ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد لیا کہ ایک رکعت کو وقت میں پالیا تو نماز مکمل کر لے، یہ نماز ادا ہوئی نہ کہ قضا۔

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ معنی مراد لینے سے اِن اوقات میں نماز کی ممانعت والی احادیث کے ساتھ تعارض لازم آئے گا، لہذا اِس سے مراد ہے نو مسلم یا نابالغ وغیرہ نے ایک رکعت کا وقت پالیا تو نماز فرض ہو گئی۔ احناف کے نزدیک فجر کی ایک رکعت کے بعد سورج طلوع ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے متعلق مزید بحث "باب الرجل يدخل في صلوة الغداة فيصلي منها ركعة ثم تطلع الشمس"، ص:240 (مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ) میں مذکور ہو گی۔

☆ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے حدیثِ امامت میں دوسرے دن سے متعلق نقل کیا: «ثُمَّ أَخَّرَ الْعَصْرَ حَتَّى انْصَرَفَ مِنْهَا، وَالْقَائِلُ يَقُولُ: احْمَرَّتِ الشَّمْسُ. . . .» (حدیث:873، ورواہ مسلم)

وجہ ترجیح: اِصفرار شمس سے پہلے تک عصر کا وقت باقی ہونا یقینی ہے۔ اس کے بعد والے وقت سے متعلق دلائل میں تعارض ہے، یقین شک سے زائل نہیں ہوتا؛ لہٰذا شک کی بنا پر وقت خارج نہیں ہو گا۔

احناف کی طرف سے نظر: بالاتفاق اگر کوئی شخص اِصفرار شمس کے وقت مسلمان ہو تو اس پر اُس دن کی عصر فرض ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ وقت نماز کا سبب ہے، اور ایسا ممکن نہیں کہ ایک وقت نماز کا سبب ہو اور اس میں نماز کی ادائیگی درست نہ ہو۔

قال الشامي رحمه الله تعالیٰ: هَذَا الْوَقْتُ سَبَبٌ لِوُجُوبِ الْعَصْرِ حَتَّى يَجِبَ عَلَى مَنْ أَسْلَمَ أَوْ بَلَغَ فِيهِ، وَيَسْتَحِيلُ أَنْ يَكُونَ سَبَبًا لِلْوُجُوبِ وَلَا يَصِحُّ الْأَدَاءُ فِيهِ. (رد المحتار)

جوابات: احناف کی طرف سے امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے استدلال کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) جن احادیث میں اِصفرار شمس کے وقت نماز ادا کرنے سے منع کیا گیا ہے اُن سے اُس دن کی عصر کے علاوہ نمازیں مراد ہیں۔ اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو احناف کی مؤید احادیث اور مذکورہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔

2) سیدنا ابوہریرہ اور اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی احادیث، ممانعت والی احادیث کے لیے ناسخ ہیں۔ اِس کی تائید یوں بھی ہوتی کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن حضرات کے بعد اِسلام لائے ہیں جنہوں نے ممانعت والی احادیث نقل کی ہیں۔

3) اِصفرار شمس کے وقت نماز کی ممانعت والی احادیث کراہت پر محمول ہیں، یعنی اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عصر کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا ہے یہ عصر کا وقت نہیں۔

4) حدیث:876 "وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ تَصْفَرُّ الشَّمْسُ" سے مستحب وقت کا آخر مراد ہے۔

نظر طحاوی کا جواب: اس دن کی عصر ادا کرنے کو قضا نماز پر قیاس کرنا درست نہیں۔ قضا واجب ہونے کا سبب (قضا ہونے والی نماز کا وقت) کامل تھا؛ لہٰذا اُسے ناقص وقت (اصفرار شمس کے وقت) میں ادا نہیں کیا جاسکتا، جب کہ اُس دن کی عصر واجب ہونے کا سبب (اصفرار شمس کا وقت، جس میں اُس دن کی نماز کو ادا کیا جارہا ہے) ناقص ہے؛ لہٰذا اُسے وقت ناقص (اصفرار شمس کے وقت) میں ادا کیا جاسکتا ہے۔

ابتداءِ وقتِ مغرب

پہلا قول: امام طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغرب کا وقت ستارے ظاہر ہونے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

دلیل: سیدنا ابوبصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مقامِ "مَخْمَص" میں نماز عصر پڑھائی، پھر اِرشاد فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوهَا ، فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا مِنْكُمْ أُوتِيَ أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ». وفی روایة: وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ.

(حدیث:892و893)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج غروب ہوتے ہی مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

دلائل: متواتر روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سورج غروب ہوتے ہی نماز مغرب ادا فرماتے۔ مثلاً سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتِ الشَّمْسُ.» (حدیث:895)

جواب: بعض راویوں نے نبی کریم ﷺ کا اِرشاد مبارک "وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ" تک نقل کیا ہے۔ اس میں "شاہد" سے رات مراد ہے اور حدیث کا مفہوم ہے کہ عصر کے بعد رات (سورج غروب ہونے) تک کسی نفل نماز کی اجازت نہیں۔ اگر یہ معنی مراد نہ لیا جائے تو احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔

بعض راویوں نے "وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ" ("شاہد" سے ستارے مراد ہیں) کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ راوی نے اپنی رائے کے مطابق تفسیر کی ہو۔

نظر طحاوی: بالاتفاق دخول نہار ایک نماز (فجر) کا وقت ہے، نظر کا تقاضا ہے کہ دخول لیل بھی ایک نماز (مغرب) کا وقت ہو۔

انتہاءِ وقتِ مغرب

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک غروب شمس کے بعد اُفق پر ظاہر ہونے والی سرخی (شفق احمر) چھپتے ہی نماز مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

دلیل: سیدنا جابر، سیدنا ابو موسی اشعری اور سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات باب کے شروع میں مذکور ہیں، جن میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے دن نمازِ مغرب "شفق" غائب ہونے سے پہلے ادا فرمائی۔ (حدیث:873، 871، 874) اِن احادیث میں "شفق" سے سرخی مراد ہے۔

دوسرا قول: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُفق پر سرخی کے بعد ظاہر ہونے والی سفیدی غائب ہونے اور تاریکی چھا جانے سے نماز مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

«وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الأُفُقُ.» (ابوداود:394) یعنی آپ ﷺ نے نماز عشا ادا فرمائی جب کہ اُفق سیاہ ہو چکا تھا۔

ظاہر ہے کہ افق پر سیاہی سفیدی غائب ہونے کے بعد چھاتی ہے۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جان عالم ﷺ نے فرمایا:

«وَإِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْمَغْرِبِ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ، وَإِنَّ آخِرَ وَقْتِهَا حِينَ يَغِيبُ الأُفُقُ...» (ترمذی:151)

مغرب کے وقت کی ابتدا اُس وقت ہے جب سورج غروب ہو اور مغرب کے وقت کا اختتام اُس وقت ہے جب افق غائب ہو۔

"افق" سفیدی چھپنے کے بعد ہی غائب ہوتا ہے۔

☆ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہ عرب و عجم ﷺ سے دوسرے دن نماز مغرب کی ادائیگی کے حوالہ سے روایت کیا:

«فَأَخَّرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى كَادَ يَغِيبُ بَيَاضُ النَّهَارِ...» (مجمع الزوائد:1686)

آپ ﷺ نے اُسے مؤخر کیا حتی کہ قریب تھا کہ دن کی سفیدی غائب ہو جاتی۔

وجہ ترجیح: سرخی غائب ہونے سے پہلے تک یقینا مغرب کا وقت باقی ہے، اِس کے بعد والے وقت میں دلائل کا تقاضا مختلف ہے؛ لہٰذا شک کی وجہ سے وقت خارج نہیں ہو گا۔

نظر طحاوی: طلوع شمس سے پہلے اُفق پر سرخی ظاہر ہوتی ہے، پھر سفیدی چھاجاتی ہے، اِس کے بعد سورج کا پہلا کنارہ ظاہر ہوتے ہی فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح طلوع شمس سے پہلے کی سرخی اور سفیدی ایک ہی نماز کا وقت ہیں اور اِن دونوں کے بعد فجر کا وقت ختم ہوتا ہے، اِسی طرح غروب شمس کے بعد کی سرخی اور سفیدی بھی ایک ہی نماز کا وقت ہیں اور اِن دونوں کے چھپنے کے بعد مغرب کا وقت ختم ہوتا ہے۔

ابتداءِ وقتِ عشا

اقوال ائمہ: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُفق کی سرخی غائب ہوتے ہی عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرخی کے بعد ظاہر ہونے والی سفیدی غائب ہونے سے عشا کے وقت کا آغاز ہوتا ہے۔

دلائل: باب کے شروع میں مذکور تمام احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن نمازِ عشا ''شفق'' غائب ہونے کے بعد ادا فرمائی۔ دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِن احادیث میں ''شفق'' سے سرخی (شفق احمر) مراد ہے، جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے سفیدی (شفق ابیض) مراد ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دن نماز عشا ''شفق'' غائب ہونے سے پہلے ادا فرمائی۔ (حدیث: 871) دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اِس حدیث پاک میں ''شفق'' سے مراد سفیدی ہے۔ حدیث کا معنی ہے: ''سرخی (شفق احمر) غائب ہونے کے بعد سفیدی (شفق ابیض) غائب ہونے سے پہلے عشا ادا فرمائی۔'' یوں دیگر روایات اور حدیث مذکور میں تطبیق بھی ہوگئی۔

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پاک کو درج ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے:

«وَالْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ...» (سنن نسائی:503)

یعنی آپ ﷺ نے نمازِ عشا ادا فرمائی جب کہ شفق غائب ہو چکا تھا۔

ممکن ہے کہ طحاوی شریف والی روایت کے راوی نے وہم کی وجہ سے «قبل غیبوبة الشفق» کے الفاظ نقل کیے ہوں؛ لہٰذا اِس حدیث سے استدلال درست نہیں۔

نوٹ: سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے دیگر ائمہ نے جو استدلال کیا اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ "شفق" کا اطلاق "سفیدی" (شفق ابیض) پر بھی ہوتا ہے، تو جن احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ عشا "شفق" غائب ہونے کے بعد ادا فرمائی وہ سب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے موقف کی مؤید ہیں۔

قال الامام الطحاوی رحمه الله تعالى: وَفِي ثُبُوتِ مَا ذَكَرْنَا مَا يَدُلُّ عَلَى مَا قَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ بَعْدَ غَيْبُوبَةِ الْحُمْرَةِ وَقْتَ الْمَغْرِبِ إِلَى أَنْ يَغِيبَ الْبَيَاضُ.

انتہاءِ وقتِ عشا

اقوالِ ائمہ: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک وقتِ عشا کی اِنتہا طلوعِ فجر ہے، البتہ وقتِ مستحب میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تہائی رات تک بلا کراہت جائز ہے، اِس کے بعد طلوعِ فجر تک مکروہ ہے۔ اِسی طرح امام احمد اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشا کا وقتِ اختیاری تہائی رات تک ہے اِس کے بعد وقت اضطراری ہے اور اِس تک تاخیر ممنوع ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشا کو تہائی رات سے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے، اِس کے بعد سے آدھی رات تک مؤخر کرنا مباح ہے اور اتنی تاخیر کہ رات ڈھل جائے، مکروہ ہے۔ (ہدایہ، بہارِ شریعت)

احادیث کا خلاصہ: باب کے شروع میں مذکور احادیث طیبہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے دن نمازِ عشا کو تہائی رات تک مؤخر فرمایا۔ پھر آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ عشا کا وقت نصف رات تک ہے۔(حدیث:910) آپ ﷺ نے بعض اوقات عشا کی جماعت کو نصف رات تک مؤخر فرمایا۔(حدیث:916) اِسی طرح صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بھی نصف رات تک تاخیر منقول ہے۔(حدیث:924) بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے رات کا اکثر حصہ گزرنے تک بھی عشا کو مؤخر فرمایا۔(حدیث:920) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی کہ عشا کا وقت طلوعِ فجر تک باقی ہے۔(حدیث:928)

احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ عشا کا آخری وقت طلوعِ فجر ہے، البتہ افضل وقت تہائی رات سے پہلے تک ہے، اِس کے بعد سے نصف رات تک کی فضیلت پہلے سے کم ہے اور نصف رات سے مؤخر کرنا مناسب نہیں ہے۔

باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ عذر کی وجہ سے ظہر و عصر اور مغرب وعشا میں سے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر یا بیماری کی صورت میں ظہر اور عصر، اِسی طرح مغرب اور عشا میں سے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا صحیح ہے۔

دلائل: متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر اور عصر، اِسی طرح مغرب اور عشا کو جمع فرمایا۔ بعض میں تصریح ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کیا۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفر کی جلدی ہوتی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب وعشا کو جمع کرتے اور فرماتے:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا.» (حدیث:949)

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو دن میں سفر کی جلدی ہوتی تو آپ ظہر و عصر کو جمع کرتے، اور جب رات کو سفر کا ارادہ فرماتے تو مغرب وعشا کو جمع کرتے۔ فرماتے ہیں:

« يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلَى أَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ فَيَجْمَعُ بَيْنَهُمَا، وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتَّى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ حِيْنَ يَغِيبُ الشَّفَقُ.» (حدیث:953)

☆ باب مواقیت الصلوٰۃ کے شروع میں مذکور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے پہلے دن عصر اور دوسرے دن ظہر ایک مثل پر ادا فرمائی۔ (حدیث:871) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نمازوں کا وقت ایک ہی ہے۔

☆ بالاتفاق عرفہ میں ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے، اِسی طرح مزدلفہ میں مغرب وعشا کو عشا کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے، اِس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ سفر میں جمع بین الصلاتین سے بھی ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کسی بھی صورت میں ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا جائز نہیں۔ جمع بین الصلاتین کا طریقہ یہ ہے کہ ایک نماز کو اُس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اُس کے پہلے وقت میں ادا کیا جائے۔ احادیث میں جمع بین الصلاتین سے مراد "جمع صوری" ہے۔

دلائل: درج ذیل دلائل سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ احادیث میں جمع بین الصلاتین سے جمع صوری مراد ہے۔

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ، وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ.» (حدیث:954)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ فِي غَيْرِ وَقْتِهَا، إِلَّا أَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِجَمْعٍ، وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ لِغَيْرِ مِيقَاتِهَا.» (حدیث:955)

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع بین الصلاتین والی حدیث روایت کی، اِس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو جمع صوری فرماتے دیکھا تھا۔

☆ حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک موقع پر سفر میں جلدی تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز مغرب کو مؤخر کیا۔ نافع فرماتے ہیں:

حَتّٰى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَتْ. ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا عَجِلَ بِهِ أَمْرٌ صَنَعَ هٰكَذَا.» (حدیث:951)

☆ احادیث میں تصریح ہے کہ ایک نماز کو دوسری کے وقت تک مؤخر کرنا تفریط ہے اور اِس سے نماز قضا ہو جاتی ہے۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيطٌ، إِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ بِأَنْ يُؤَخِّرَ صَلَاةً إِلَى وَقْتِ أُخْرٰى.» (حدیث:956)

آپ ﷺ نے یہ کلمات دورانِ سفر فرمائے؛ لہٰذا حدیث میں مسافر اور مقیم دونوں داخل ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«لَا يَفُوتُ صَلَاةٌ حَتّٰى يَجِيءَ وَقْتُ الْأُخْرٰى.» (حدیث:957)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ نماز میں تفریط (کوتاہی) کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«أَنْ تُؤَخَّرَ حَتّٰى يَجِيءَ وَقْتُ الْأُخْرٰى.» (حدیث:958)

آپ ﷺ نے دو نمازوں کو جمع فرمایا، اِسے ایسی صورت پر ہی محمول کرنا چاہیے کہ "تفریط" لازم نہ آئے۔ نیز سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا کہ آپ ﷺ دو نمازوں کو جمع فرماتے، پھر اُنھوں نے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنے سے متعلق درج بالا کلمات فرمائے، معلوم ہوا کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو اِس طرح جمع کرتے دیکھا تھا کہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی۔

☆ جمع بین الصلاتین سے متعلق بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بغیر کسی خوف اور عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا۔ (حدیث:936،946) امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بلا عذر ایک نماز کو دوسری کے وقت میں ادا کرنا صحیح نہیں؛ لہٰذا احادیث میں جمع بین الصلاتین سے جمع صوری ہی مراد ہے۔

☆ صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی دو نمازوں کو اِسی طرح جمع فرماتے کہ ایک کو اس کے آخری وقت میں اور دوسری کو اُس کے اول وقت میں ادا کرتے، جیسا کہ مصنف گرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا سعد بن مالک اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔(حدیث:959،960)

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جمع بین الصلاتین والی حدیث حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی اور اُن سے عمرو بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کی۔ اِن دونوں حضرات نے جمع صوری ہی مراد لیا ہے۔(حدیث:935)

نظر طحاوی: بالاتفاق فجر کو کسی دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاسکتا، اس کا خاص وقت ہے، مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ باقی نمازوں کا بھی یہی حکم ہو، اُنھیں بھی کسی دوسری نماز کے وقت میں ادا کرنا صحیح نہ ہو۔

احادیث سے استدلالات کے جوابات: اکثر احادیث وہ ہیں جن میں جمع کرنے کا ذکر ہے، اُس کی کیفیت کا ذکر نہیں؛ لہٰذا اُن سے جمع حقیقی پر استدلال کرنا درست نہیں۔ جن بعض احادیث میں جمع کی کیفیت مذکور ہے اُن کے جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ سیدنا ابن عمر: سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جمع بین الصلاتین سے متعلق مختلف راویوں نے مختلف الفاظ نقل کیے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

☆ حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بروایتِ نافع سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے کہا: "فسار حتی غاب الشفق . ثم نزل فجمع بينهما ."(حدیث:948) یعنی آپ نے سفر جاری رکھا حتی کہ شفق غائب ہو گیا، پھر سواری سے اُترے اور مغرب وعشا کو جمع کیا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احناف کی طرف سے اِس روایت کی درج ذیل توجیہات نقل کی ہیں:

1) درج بالا الفاظ حضرت ایوب کے علاوہ کسی راوی نے روایت نہیں کیے۔

2) اِس روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جمع کرنے کی کیفیت کا ذکر ہے، آپ ﷺ کے جمع کرنے کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ جب کہ حضرت ابن جابر رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت (جو چند سطور بعد مذکور ہے، رقم:951) میں سرکار دو عالم ﷺ کے جمع فرمانے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے۔ لٰہذا وہ اِس پر راجح ہے۔

3) "**حتى غاب الشفق**" سے مراد ہے: ”شفق غائب ہونے کے قریب تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری سے اُترے اور مغرب و عشا کو جمع کیا۔“

☆ حضرت عبید اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بروایتِ نافع نقل کیا: "**جمع بين المغرب والعشاء بعد ما يغيب الشفق.**" (حدیث:949) یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شفق غائب ہونے کے بعد مغرب وعشا کو جمع کیا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس روایت کے بارے فرمایا:

1) اِس میں آپ ﷺ کے جمع کرنے کی کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔

2) مراد ہے کہ جس نماز کے ساتھ ”جمع“ متحقق ہوئی، یعنی نمازِ عشا، وہ شفق غائب ہونے کے بعد تھی اور مغرب شفق غائب ہونے سے پہلے تھی۔

مذکورہ توجیہات کی تائید: حضرت ایوب اور حضرت عبید اللہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایات کی درج بالا توجیہات پر دلیل یہ ہے کہ یہی حدیث حضرت اُسامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

«حَتّٰى إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ ، نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا . . . » (حدیث:950)

حضرت ابن جابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«حَتّٰى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ الْعِشَاءَ وَقَدْ تَوَارَتْ . . .»

(حدیث:951)

اور حضرت عطاف بن خالد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا:

«حَتّٰى إِذَا كَادَ الشَّفَقُ أَنْ يَغِيبَ نَزَلَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ...» (حدیث:952)

روایتِ سیدنا انس: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت (رقم:953) کی درج ذیل توجیہات نقل کیں:

1) ممکن ہے کہ جمع کی یہ کیفیت حضرت زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہو۔ وہ بسا اوقات اِس انداز سے تشریح کرتے کہ سننے والے کو وہم ہوتا کہ یہ کلمات حدیث کا حصہ ہیں۔

2) "يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ إِلٰى أَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ" سے مراد ہے:"إِلٰى قُرْبِ أَوَّلِ وَقْتِ الْعَصْرِ" یعنی آپ ﷺ سفر میں ظہر کو عصر کے اول وقت کے قریب تک مؤخر فرماتے اور "وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَجْمَعَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعِشَاءِ حَتّٰى يَغِيبَ الشَّفَقُ" سے مراد ہے کہ جس نماز کے ساتھ "جمع" متحقق ہوئی، یعنی نماز عشا، وہ شفق غائب ہونے کے بعد تھی۔

اِس توجیہ پر دلیل یہ ہے کہ امام بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے نقل کیا:

"إِذَا أَرَادَ أَنْ يَجْمَعَ بين الصلاتين فِي السَّفَرِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى آخِرِ وَقْتِهَا، ثُمَّ صَلَّاهَا، وَصَلَّى الْعَصْرَ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا، وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ فِي آخِرِ وَقْتِهَا، وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا، وَيَقُولُ: «هٰكَذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ.»"

(مسند البزار:6458)

3) احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کے تحت ذکر کردہ احادیث کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

وقتِ واحد میں امامت کا جواب: باب مواقیت الصلاۃ میں مذکور ہوا کہ دوسرے دن ظہر کو ایک مثل پر ادا کرنے سے مراد ہے: ”سایہ ایک مثل ہونے کے قریب تھا جب ظہر کی امامت کرائی۔“ کیونکہ احادیث میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے پہلے دن نمازِ عصر ایک مثل ہونے پر ادا کی، ازاں بعد یہ بھی فرمایا: "الوقت فیما بین هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ" یعنی پہلے اور دوسرے دن جن اوقات میں نمازیں ادا کی گئیں اُن کا درمیانی وقت نمازوں کا وقت ہے۔

اگر دونوں نمازوں کے درمیان وقت مشترک بھی ہو تو مذکورہ جملہ کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا۔ نیز سیدنا ابن عباس اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے ”حدیث امامت“ کو روایت کیا ہے، پھر اِن حضرات نے فرمایا: ایک نماز کو دوسری کے وقت تک مؤخر کرنا تفریط ہے اور اس سے نماز قضا ہو جاتی ہے۔(حدیث:958،957) اگر دونوں نمازوں کا وقت ایک ہی ہوتا تو وہ ایسا نہ فرماتے۔

عرفہ اور مزدلفہ سے استدلال کا جواب: بالاتفاق عرفہ میں جماعت کے ساتھ ظہر اور عصر کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا صحیح نہیں، اِسی طرح مزدلفہ میں مغرب اور عشا کو اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا صحیح نہیں، جب کہ عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ اِن نمازوں کو سفر و حضر میں اپنے اپنے وقت پر پڑھنا درست ہے۔ معلوم ہوا کہ عرفہ اور مزدلفہ کا حکم جداگانہ ہے اور اس پر دوسری نمازوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔

باب الصلاۃ الوسطیٰ أیّ الصلوٰت

اِرشاد باری تعالیٰ ہے: «حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ.» [البقرۃ: 238] تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے قیام کرو۔

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ ''صلاۃ وُسطیٰ'' یعنی ''درمیانی نماز'' سے کون سی نماز مراد ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز ظہر ''صلاۃ وُسطیٰ'' ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ ''صلاۃ وسطی'' کون سی نماز ہے؟ تو اُنھوں نے فرمایا: ''نماز ظہر صلاۃ وسطی ہے۔'' سیدنا اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ ظہر (زوال کے بعد) شدید گرمی کے وقت پڑھاتے تھے تو آپ کے پیچھے صرف ایک، دو صفیں ہوتی تھیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

«حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ.» [البقرۃ: 238]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ أَوْ لَأُحَرِّقَنَّ بُيُوتَهُمْ.» (حدیث:961)

یعنی یہ شدید وعید نماز ظہر کی جماعت میں سستی کرنے والوں کے لیے تھی، اِس سے ثابت ہوا کہ اِس نماز کی تاکید زیادہ ہے اور یہی صلاۃ وُسطیٰ ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِس بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

« كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهَا الصَّلَاةُ الَّتِي وُجِّهَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الْكَعْبَةَ قَالَ: وَقَدْ عَرَفْنَاهَا، هِيَ الظُّهْرُ . » (حدیث:967)

وجہ تسمیہ: اِس سے پہلے دو نمازیں ہیں، ایک رات کی (عشا) اور ایک دن کی (فجر)، اسی طرح اِس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں، ایک دن کی (عصر) اور ایک رات کی (مغرب)۔ یہ چاروں نمازوں کے درمیان ہے۔

روایتِ سیدنا زید کے جوابات: آیت کریمہ سے ظہر کے صلاۃ وُسطیٰ ہونے پر استدلال سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِجتہاد ہے۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال درست نہیں؛ کیونکہ آیت کریمہ میں ظہر سمیت تمام نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور نمازوں کی حفاظت میں یہ بھی شامل ہے کہ اُنھیں باجماعت ادا کیا جائے۔ چونکہ دیگر نمازوں کی جماعت میں شرکت کے حوالہ سے سستی نہیں تھی، نماز ظہر کے بارے کچھ سستی ہوئی تو آپ ﷺ نے اِس پر وعید اِرشاد فرمائی۔ نماز کی جماعت میں شریک نہ ہونے پر وعید فرمانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صلاۃ وُسطیٰ ہے۔

نیز سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ وعید نمازِ جمعہ میں سستی کرنے والوں کے لیے تھی۔ (حدیث:968) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نمازِ عشا کے بارے سستی کرنے والوں کے لیے تھی۔ (حدیث:970) بلکہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول یہ وعید کسی اور امر سے متعلق تھی۔ (حدیث:976) مگر اُنھوں نے اِس وعید سے نماز جمعہ یا نماز عشا کے صلاۃ وُسطیٰ ہونے پر استدلال نہیں کیا، بلکہ اُنھوں نے روایت کیا کہ عصر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔ معلوم ہوا آیت سے ظہر کے صلاۃ وُسطیٰ ہونے پر دلیل قائم کرنا درست نہیں۔

روایتِ سیدنا ابن عمر کا جواب: راوی نے مذکورہ حدیث میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد واِستدلال نقل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ سے اِس بارے کوئی اِرشاد نقل نہیں کیا۔ جب کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے:

«اَلصَّلَاۃُ الْوُسْطٰی صَلَاۃُ الْعَصْرِ» (حدیث:977) عصر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔

لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی اِستدلال صحیح نہیں۔

دوسرا قول: امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ فجر صلاۃ ُوسطیٰ ہے۔

دلائل: حضرت ابورجاء عُطاردی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز فجر ادا کی، آپ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا:

«هٰذِهِ الصَّلَاةُ الْوُسْطٰى.» (حدیث:979) وزاد البيهقي : الَّتِي قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا {وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ} [البقرة: 238] (السنن الكبرى ، رقم: 2171)

"یہی صلاۃ ُوسطیٰ ہے، جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:" وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ."

اِستدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے صلاۃ ُوسطیٰ میں "قنوت" کا حکم فرمایا، دعائے قنوت نماز فجر میں ہے؛ لہٰذا صلاۃ ُوسطیٰ نماز فجر ہے۔

جمہور کی طرف سے جوابات: جمہور نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں:

1) حدیث پاک نماز فجر کے صلاۃ ُوسطیٰ ہونے سے متعلق آپ ﷺ کا کوئی اِرشاد منقول نہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا اِستدلال مذکور ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ {وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ} [البقرة: 238] سے "دعائے قنوت" مراد ہے۔ جب کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر سے مروی ہے کہ اِس آیت میں "قنوت" سے مراد خاموشی، عاجزی، خشوع اور فرمانبرداری ہے۔ (حدیث:984تا989) معلوم ہوا آیت کریمہ میں فجر کے صلاۃ ُوسطیٰ ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

2) دیگر روایات میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ (حدیث:1465) اگر آیت کریمہ میں "قنوت" سے "دعائے قنوت" مراد ہوتی تو آپ اُسے کبھی ترک نہ فرماتے۔

3) ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ فجر کے صلاۃ ُوسطیٰ ہونے پر مذکورہ آیتِ کریمہ سے استدلال کے بجائے ایک دوسری علت سے ذکر کی۔ اِرشاد فرمایا:

«الصَّلَاةُ الْوُسْطٰى هِيَ الصُّبْحُ ، تُصَلّٰى بَيْنَ سَوَادِ اللَّيْلِ وَبَيَاضِ النَّهَارِ.» (حدیث:990)

فجر صلاۃ وُسطیٰ ہے، کیونکہ اِسے رات کی تاریکی اور دن کے اُجالے کے درمیان ادا کیا جاتا ہے۔

نوٹ: یہ اِستدلال بھی کمزور ہے، کیونکہ مغرب بھی رات کی تاریکی اور دن کے اُجالے کے درمیان ہے، پھر اُسے بھی صلاۃ وُسطیٰ ہونا چاہیے۔

4) احتمال ہے کہ آیت کریمہ میں ''قنوت'' سے مراد ''طویل قیام'' ہو اور معنی ہو: ''اور (فجر میں) اللہ کے حضور طویل قیام کرو۔'' جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے نماز کے افضل ترین رکن کے بارے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «طُوْلُ الْقُنُوْتِ» یعنی طویل قیام۔ (حدیث:1734) نیز اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے: نمازِ فجر کو دو رکعات اِسی لیے رکھا گیا کہ اِس میں قراءت طویل ہے۔ (حدیث:1064)

5) احتمال ہے کہ آیت کریمہ میں ''قنوت'' سے مراد ''طویل قیام'' ہو اور یہ حکم ''وُسطیٰ'' و ''غیر وُسطیٰ'' تمام نمازوں کو شامل ہو؛ کیونکہ {وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ} [البقرة: 238] کے فجر کے ساتھ خاص ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ نمازِ عصر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔ (حدیث:991) نیز اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی روایت کیا کہ عصر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔ (حدیث:1005) لہٰذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے فجر کے صلاۃ وُسطیٰ ہونے پر اِستدلال درست نہیں۔

تیسرا قول: احناف اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ عصر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ غزوۂ خندق (غزوۂ احزاب) کے موقع پر شدید لڑائی کے سبب نماز عصر میں تاخیر

ہوئی، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا (بعض روایات کے مطابق غروب ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے دعائے جلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

«اللّٰهُمَّ امْلَأْ قُلُوبَ الَّذِينَ شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى نَارًا، وَامْلَأْ بُيُوتَهُمْ نَارًا، وَامْلَأْ قُبُورَهُمْ نَارًا.» (حدیث:998، 1002، 1001)

سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے یہ بھی فرمایا: "پہلے ہم سمجھتے تھے کہ فجر صلاۃ وُسطیٰ ہے۔"

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِرشاد کا خلاصہ ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرام علیہم الرضوان میں صلاۃ وُسطیٰ کے بارے اختلاف ہوا۔ ایک صحابی ابوہاشم بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ ﷺ سے معلوم کر کے آتا ہوں۔ وہ آپ ﷺ کے درِ اقدس پر گئے، اِجازت طلب کرنے کے بعد حاضر ہوئے اور واپس آ کر بتایا کہ وہ نمازِ عصر ہے۔ (حدیث:1006)

نیز سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الْعَصْرِ.» (حدیث:1007، 1009)

☆ ساداتنا اُبیّ بن کعب، ابو سعید خدری، علی مرتضی، ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی موقف ہے۔ (حدیث:1010 تا 1013، حدیث:977)

☆ ایک روایت کے مطابق اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نسخہ میں آیت کریمہ کے الفاظ یوں تھے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. (حدیث:996)

وجہ تسمیہ: عصر کو صلاۃ وُسطیٰ (درمیانی نماز) کہنے کی دو وجوہات منقول ہیں:

1) یہ رات کی دو نمازوں (مغرب وعشا) اور دن کی دو نمازوں (فجر وظہر) کے درمیان ہے۔

2) ابو عبد الرحمن عبید اللہ بن محمد المعروف ابن عائشہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کا خلاصہ ہے:

فجر کے وقت سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ نے دو رکعات ادا کیں، یہ نماز فجر ہوگئی۔ ظہر کے وقت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحبزادے کے ذبح سے محفوظ رہنے اور اُس کا فدیہ ہونے پر چار رکعات ادا کیں، یہ نماز ظہر ہوگئی۔ عصر کے وقت سیدنا عزیر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو نیند سے بیدار کیا گیا اور اُن کی شان کے مطابق اُن کی مغفرت ہوئی تو اُنھوں نے چار رکعات ادا کیں، یہ نماز عصر ہوگئی۔ مغرب کے وقت جناب داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُن کی شان کے مطابق مغفرت ہوئی تو آپ نے تین رکعات ادا کیں، یہ نماز مغرب ہوگئی۔ نماز عشا سب سے پہلے سرکار دوعالم ﷺ نے ادا فرمائی۔" (رقم:1014)

یعنی سب سے پہلی نماز، فجر ہے اور سب سے آخری نماز، عشا ہے۔ عصر اِن کے درمیان ہے۔

نسخۂ امّہات المؤمنین اور صلاۃ وُسطیٰ: اُم المؤمنین سیدہ حفصہ اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نسخے میں سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کریمہ یوں تھی:

«حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ.»

(حدیث:995،992)

بعض لوگوں نے اِس نسخہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ عصر صلاۃ وُسطیٰ نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ مذکورہ قراءت میں "صلٰوۃ العصر" کا "الصلٰوۃ الوُسطیٰ" پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی آیت کا تقاضا ہے کہ صلاۃ وُسطیٰ عصر کے علاوہ کوئی نماز ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہور کی طرف سے اِس اِستدلال کے درج ذیل جوابات نقل کیے ہیں:

1) "صلٰوۃ العصر" کا "الصلٰوۃ الوُسطیٰ" پر عطف تفسیر کے لیے ہے۔ یعنی ''وُسطیٰ''، ''عصر'' کا ہی دوسرا نام ہے اور ایک نام کا دوسرے نام پر عطف کیا گیا ہے۔

2) قوی دلائل کے مقابلہ میں شاذ قراءت سے استدلال درست نہیں۔

3) ایک روایت کے مطابق اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ کے عنہا کے نسخہ میں آیت کریمہ کے الفاظ یوں تھے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ. (حدیث:996)

محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نسخہ سے متعلق درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ.»

یہ روایات عصر کے صلاۃ وُسطیٰ ہونے پر واضح دلیل ہیں اور اِن میں تصریح ہے کہ مبحوث عنہ روایت میں عطف تفسیر کے لیے ہے۔

4) وہ تلاوت منسوخ ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آیت کریمہ یوں نازل ہوئی تھی: «حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ» کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے اِسے منسوخ فرما کر یہ الفاظ نازل کیے: «حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى» (حدیث:997)

خلاصہ یہ کہ ایک نام منسوخ فرما کر دوسرا نام نازل فرمایا۔ معلوم ہوا اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نسخہ میں عطفِ تفسیری ہے۔

نوٹ: علامہ زُرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا اِمام مالک کی شرح میں لکھا:

فَلَعَلَّ عَائِشَةَ لَمْ تَعْلَمْ بِنَسْخِهَا أَوِ اعْتَقَدَتْ أَنَّهَا مِمَّا نُسِخَ حُكْمُهٗ وَبَقِيَ رَسْمُهٗ...

باب الوقت الذی یصلّی فیہ الفجر أیّ وقت ھو

نمازِ فجر کے مستحب وقت سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز فجر کو اُس کے اول وقت میں، جب کہ ابھی تاریکی ہو، ادا کرنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

«كُنَّ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ يُصَلِّينَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى أَهْلِهِنَّ، وَمَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ.» (حدیث:1015)

نیز سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا حرملہ بن عبد اللہ اور سیدتنا قیلہ علیہم الرضوان سے بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز فجر غلس میں ادا فرماتے۔ (حدیث:1025، 1027، 1026)

☆ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى الْغَدَاةَ فَغَلَّسَ بِهَا، ثُمَّ صَلَّاهَا فَأَسْفَرَ، ثُمَّ لَمْ يَعُدْ إِلَى الْإِسْفَارِ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.» (حدیث:1019)

☆ حضرت مُغیث بن سُمیّ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز فجر تاریکی میں ادا کی، فرماتے ہیں کہ نماز سے فراغت کے بعد میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: ”یہ کیا؟“ تو اُنھوں نے فرمایا:

«هٰذِهِ صَلَاتُنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ، فَلَمَّا قُتِلَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَسْفَرَ بِهَا عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.» (حدیث:1021)

☆ سیدنا انس بن مالک اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ سحری کی، ازاں بعد نمازِ فجر کے لیے روانہ ہوئے۔ راوی نے اُن سے پوچھا کہ اِس دوران کتنا وقفہ تھا؟ تو اُنھوں نے فرمایا:

«قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً. » (حدیث:1022)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دس ذی الحج کو مزدلفہ میں نماز فجر اندھیرے میں ادا کرنا مستحب ہے، اِس کے علاوہ مرد حضرات کے لیے کہ ہمیشہ ''اِسفار'' میں، جب کہ صبح خوب روشن ہو جائے، ادا کرنا سنت ہے۔ ''اِسفار'' کی حد یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ آیات تک ترتیل کے ساتھ پڑھ سکے پھر سلام پھیرنے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز دوبارہ پڑھنی پڑے تو طہارت کرکے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیات تک دوبارہ پڑھ سکے۔ اِتنی تاخیر مکروہ ہے کہ طلوع آفتاب کا شک ہو جائے۔

(ملخص از بہار شریعت، حصہ:3، ص:451، فتاوی رضویہ، ج:5، ص:334)

البتہ عورتوں کے لیے ہمیشہ اول وقت میں، جب کہ تاریکی ہو، ادا کرنا مستحب ہے۔

(بہار شریعت، حصہ:3، ص:452)

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایات سے خلاصہ اخذ کیا کہ نماز فجر کا آغاز اندھیرے میں کرنا اور طویل قراءت کے ساتھ اختتام روشنی میں کرنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا رافع بن خَدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مالکِ بحر و بر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«اَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ.» (حدیث:1036)

سیدنا بلال اور دیگر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ (حدیث:1039،1037)

☆ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ذی الحج کو مزدلفہ میں طلوع فجر کے ساتھ ہی نماز فجر ادا کی اور کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اِرشاد ہے:

«إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا فِي هٰذَا الْمَكَانِ. الْمَغْرِبَ وَصَلَاةَ الْفَجْرِ هٰذِهِ السَّاعَةَ.» (حدیث:1030)

☆ رسول اللہ ﷺ نے 8ھ میں جب طائف کا محاصرہ کیا تو سیدنا ابو طریف رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ اِس محاصرے میں شریک تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

«فَكَانَ يُصَلِّي بِنَا صَلَاةَ الْبَصَرِ، حَتّٰى لَوْ أَنَّ إِنْسَانًا رَمٰى بِنَبْلِهٖ أَبْصَرَ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ.» (حدیث:1031)

☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤَخِّرُ الْفَجْرَ كَاسْمِهَا.» (حدیث:1032)

نبی اقدس ﷺ نمازِ فجر کو اُس کی نام کی طرح مؤخر کرتے تھے۔

یعنی جس طرح ''فجر'' رات کے آخر کا نام ہے اِسی طرح آپ ﷺ نمازِ فجر کو اُس کے آخری وقت (اِسفار) میں ادا فرماتے تھے۔ (ملخص از نخب الافکار)

☆ سیدنا ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ وَجْهَ جَلِيسِهٖ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ.» (حدیث:1033)

عمل صحابہ: ☆ امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے مروی ہے کہ وہ نمازِ فجر میں بعض اوقات سورۂ بقرہ اور بعض اوقات سورۂ آلِ عمران کی تلاوت فرماتے اور طلوعِ شمس کے قریب نماز سے فراغت ہوتی۔ (حدیث:1056، 1057)

☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے متعدد روایات میں ہے کہ آپ نمازِ فجر میں سورۂ یونس، سورۂ یوسف، سورۂ حج اور سورۂ سجدہ جیسی طویل سورتوں کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے اور طلوعِ فجر کے قریب

نماز سے فارغ ہوتے۔(حدیث:1045، 1047) نیز مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکتوب روانہ فرمایا:

«أَنْ صَلِّ الْفَجْرَ بِسَوَادٍ۔ أَوْ قَالَ بِغَلَسٍ۔ وَأَطِلِ الْقِرَاءَةَ.» (حدیث:1054)

☆ حضرت فرافصہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ فجر میں بکثرت سورۂ یوسف کی تلاوت فرماتے، یوں اُنھیں (فرافصہ کو) سورۂ یوسف یاد ہو گئی۔(حدیث:1058) نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے گزرا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر روشنی میں ادا کرتے۔(حدیث:1021)

خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے اِس قدر طویل سورتوں کی تلاوت تبھی ممکن ہے جب کہا جائے کہ نماز کا آغاز غلس میں فرماتے تھے اور اختتام اِسفار میں۔

☆ مولی المسلمین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے منقول ہے آپ نے نماز کا آغاز غلس میں فرمایا۔(حدیث:1040) دوسری روایت میں ہے کہ آپ طلوع شمس کے قریب نمازِ فجر سے فارغ ہوتے۔(حدیث:1041) نیز آپ نے اپنے غلام حضرت قنبر رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرمایا:

«يَا قَنْبَرُ أَسْفِرْ أَسْفِرْ.» (حدیث:1042)

☆ حضرت عبد الرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الصُّبْحِ.» (حدیث:1060)

ہم سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے۔ وہ نماز فجر کو روشنی میں ادا کرتے تھے۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر سیدنا سِباع بن عُرفُطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ شریف میں جانشین مقرر کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری رکعت میں سورۂ مطففین کی تلاوت کرتے تھے۔(حدیث:1061، 1062)

اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان کے غلس میں شروع کرنے اور اِسفار میں ختم کرنے پر اتفاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو بھی اِسی طرح نمازِ فجر ادا کرتے ملاحظہ کیا تھا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے معمول کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ.» (رقم:1065)

وجہ ترجیح: سیدنا رافع اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث میں اِسفار افضل ہونے کی تصریح ہے اور یہ قولی احادیث ہیں، جب کہ دیگر روایات میں آپ ﷺ کے فعل مبارک کی حکایت ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ بعض اوقات آپ ﷺ بیانِ جواز کے لیے مفضول پر بھی عمل فرماتے تھے۔

حکمت: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ فجر کو روشنی میں ادا کرنے کی حکمتِ فقہی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِسفار میں تکثیرِ جماعت ہے جو کہ شارع کو پسند ہے، نیز فجر کے بعد اِشراق تک ذکر کے لیے بیٹھے رہنا مستحب ہے اور یہ اِسفار میں نماز ادا کرنے کے ساتھ آسان ہے۔ (ملخص از فتاوی رضویہ، ج:5، ص:336)

نظرِ طحاوی: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب صلوٰۃ العصر هل تعجل أو تؤخر" کے تحت فرمایا: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہو، مگر احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث کی روشنی میں بعض نمازوں کو تاخیر کے ساتھ ادا کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

جوابات: ☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہوا کہ نماز فجر کو روشنی میں ادا کرنے کا آغاز سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1) اس سے مراد ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما غلس میں شروع فرماتے اور اِسفار میں اختتام کرتے، جب کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کا آغاز ہی اِسفار میں کرتے، تاکہ تاریکی میں گھروں سے نکلتے ہوئے کسی نامناسب واقعہ کا اندیشہ نہ رہے۔

2) دوسری روایت میں اِس کا برعکس بھی منقول ہے ۔ یعنی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نماز میں طویل قراءت کرتے تھے۔(حدیث:1058)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہوا کہ آپ ﷺ نماز فجر تاریکی میں ادا فرماتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عمل منسوخ ہے۔اِس کے نسخ پر متعدد دلائل ہیں:

1) صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بکثرت منقول ہے کہ وہ نماز سے طلوع شمس کے قریب فارغ ہوتے۔ اِسفار پر یہ اتفاق اِسی لیے تھا کہ وہ جانتے تھے غلس میں ادائیگی منسوخ ہو چکی ہے۔

2) اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَوَّلُ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وُصِلَ إِلَى كُلِّ صَلَاةٍ مِثْلُهَا، غَيْرَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهَا وِتْرٌ، وَصَلَاةِ الصُّبْحِ لِطُولِ قِرَاءَتِهَا، وَكَانَ إِذَا سَافَرَ عَادَ إِلَى صَلَاتِهِ الْأُولَى.» (حدیث:1064)

معلوم ہوا کہ پہلے آپ ﷺ نماز فجر اُس طرح ادا کرتے جیسا کہ اب سفر میں ادا کی جاتی ہے، یعنی تخفیف کے ساتھ، غلس میں آغاز اور غلس میں ہی اختتام۔ ازاں بعد بعض نمازوں کی رکعات کی تعداد بڑھادی گئی اور فجر میں قراءت طویل کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ طویل قراءت تبھی ممکن ہے کہ غلس میں آغاز ہو اور اِسفار میں اختتام ہو۔

باب الوقت الذی یستحبّ أن یصلّی صلاۃ الظهر فیه

نمازِ ظہر کے وقتِ مستحب سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال کے تمام ایام میں نماز ظہر کو جلد ادا کرنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ محبوب رسول، سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَجِيرِ.» (حدیث:1066)

نیز سیدنا ابوبرزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اِس کی مثل مروی ہے۔(حدیث:1076)

☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الظُّهْرَ، فَآخُذُ قَبْضَةً مِنَ الْحَصْبَاءِ أَوْ مِنَ التُّرَابِ، فَأَجْعَلُهَا فِي كَفِّي، ثُمَّ أُحَوِّلُهَا فِي الْكَفِّ الْأُخْرَى حَتّٰى تَبْرُدَ، ثُمَّ أَضَعُهَا فِي مَوْضِعِ جَبِينِي مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ.» (حدیث:1068)

☆ سیدنا خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«شَكَوْنَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَرَّ الرَّمْضَاءِ بِالْهَجِيرِ، فَمَا أَشْكَانَا.» (حدیث:1069)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِصَلَاةِ الظُّهْرِ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، مَا اسْتَثْنَتْ أَبَاهَا وَلَا عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.» (حدیث:1074)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورج ڈھلتے ہی نمازِ ظہر ادا کی اور فرمایا:

«هٰذَا وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَقْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةِ.» (حدیث:1079)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرمیوں اور موسم خزاں میں نماز ظہر کو مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔ تاخیر کی مقدار یہ ہے کہ نماز کا وقت دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور اُسے دوسرے نصف حصے میں ادا کیا جائے۔(فتاوی رضویہ، ج:5، ص:154)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گرمیوں میں نماز ظہر کو اتنا مؤخر کرنا چاہیے کہ ہر چیز کا سایہ اُس کے نصف کے برابر ہو جائے۔ اِسی طرح امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی گرمیوں میں تاخیر مستحب ہے۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا ابو ذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَهْ يَا بِلَالُ» اے بلال ٹھہرو۔ پھر (کچھ وقفہ کے بعد) اُنھوں نے اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَهْ يَا بِلَالُ» اے بلال ٹھہرو۔ پھر (کچھ وقفہ کے بعد) اُنھوں نے اذان کہنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «مَهْ يَا بِلَالُ» اے بلال ٹھہرو۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ.» (حدیث:1081)

یہی مفہوم سیدنا ابو سعید خُدری، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت کیا ہے۔(حدیث:1082، 1084، 1093)

☆ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ الشِّتَاءُ بَكَّرَ بِالظُّهْرِ، وَإِذَا كَانَ الصَّيْفُ أَبْرَدَ بِهَا»(حدیث:1097)

سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اِس کی مثل روایت کیا ہے۔(حدیث:1095)

نظر طحاوی: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب صلوٰۃ العصر هل تعجل أو تؤخر" کے تحت فرمایا: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہو، مگر احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث کی روشنی میں بعض نمازوں کو تاخیر کے ساتھ ادا کرنا مستحب قرار دیا ہے۔

جوابات: باب کے شروع میں نماز ظہر کو جلد ادا کرنے سے متعلق روایات مذکور ہوئیں۔ اُن کا جواب یہ ہے کہ ابتدائی دور میں نماز ظہر کو جلد ادا کیا جاتا تھا، بعد میں آپ ﷺ نے تاخیر کا حکم فرمایا؛ لہٰذا وہ احادیث منسوخ ہیں۔ نسخ پر دلیل یہ ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الظُّهرَ بِالْهَجِيرِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ.» (حدیث:1094)

روایتِ سیدنا ابن مسعود: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہوا کہ آپ ﷺ نے سورج ڈھلتے ہی نمازِ ظہر ادا کی اور بقسم اِرشاد فرمایا کہ یہی اِس نماز کا وقت ہے۔ (حدیث:1079)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِس روایت میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے گرمیوں میں یہ کلمات اِرشاد فرمائے یا سردیوں میں۔ ممکن ہے کہ سردیوں میں فرمائے ہوں، اِس صورت میں یہ روایت ہمارے موقف کے خلاف نہیں۔

جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ ظہر جلد ادا کرنا روایت کیا، پھر حضرت ابو خلدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند سے وضاحت ہوگئی کہ آپ ﷺ سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں تاخیر سے ادا فرماتے تھے۔

روایتِ سیدنا سُوید: حضرت سُوید رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ظہر جلد ادا کرتے دیکھا۔ (حدیث:1098) اِس روایت میں وضاحت نہیں کہ آپ علیہ الرحمہ نے اُنھیں سردیوں میں نماز جلد ادا کرتے دیکھا یا گرمیوں میں۔ ممکن ہے کہ سردیوں میں جلد پڑھتے دیکھا ہو۔ اِس کی تائید سیدنا عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

«إِنَّكَ بِأَرْضٍ حَارَّةٍ شَدِيدَةِ الْحَرِّ، فَأَبْرِدْ ثُمَّ أَبْرِدْ بِالْأَذَانِ لِلصَّلَاةِ.» (حدیث:1099)

"آپ سخت گرم علاقے میں ہوتے ہیں، نماز کے لیے اذان کو خوب ٹھنڈا کیا کرو۔"

لہٰذا حضرت سُوید رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اِستدلال درست نہیں۔

اِشکال: نماز ظہر جلد ادا کرنے سے متعلق احادیث منسوخ نہیں، وہ عزیمت پر محمول ہیں اور نماز ٹھنڈا کر کے ادا کرنے سے متعلق جو حکم دیا گیا وہ رخصت تھا، کیونکہ اُس وقت مساجد میں سایہ کا اہتمام نہیں تھا تو آپ ﷺ نے نماز مؤخر کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ سخت گرمی کے وقت سایہ میں رہیں اور گرمی کی شدت کم ہونے کے بعد مسجد میں حاضر ہوں۔

جواب: یہ ممکن ہی نہیں کہ سایہ میسر نہ ہونے کی وجہ سے رُخصت دی گئی ہو، کیونکہ سیدنا ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے سفر میں نماز کو ٹھنڈا کر کے ادا کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ وہاں تو سایہ میں ٹھہرنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

باب صلاۃ العصر هل تعجّل أو تؤخّر

نمازِ عصر کے وقتِ مستحب سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز عصر کو جلد ادا کرنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں حضرت ابو لُبابہ اور حضرت ابو عبس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر مسجد نبوی شریف سے سب سے زیادہ دُور تھے۔ فرماتے ہیں:

«ثُمَّ إِنْ كَانَا لَيُصَلِّيَانِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْعَصْرَ ، ثُمَّ يَأْتِيَانِ قَوْمَهُمَا وَمَا صَلَّوْهَا لِتَبْكِيرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِهَا.» (حدیث:1101)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.» (حدیث:1115)

رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرماتے تھے اور ابھی دُھوپ اُن کے حجرہ میں پڑ رہی ہوتی تھی، (چھت تک) بلند ہونے سے پہلے۔

☆ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، ثُمَّ نَنْحَرُ الْجَزُورَ فَنُقَسِّمُهُ عَشَرَ قِسَمٍ، ثُمَّ نَطْبُخُ، فَنَأْكُلُ لَحْمًا نَضِيجًا قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ.» (حدیث:1123)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز عصر کو اُس کے وقتِ غیر مکروہ کے آخری نصف میں پڑھنا مستحب ہے۔ یعنی مستحب ہے کہ عصر کا وقتِ غیر مکروہ دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور دوسرے حصے میں نماز ادا کی جائے۔ البتہ اِس قدر تاخیر مکروہ ہے کہ سورج زرد ہو جائے۔

دلائل: ☆ سیدنا علی بن شیبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«قَدِمْنَا عَلٰی رَسُولِ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ. فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً.» (سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فی وقت العصر)

☆ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ. يَسِيرُ الرَّجُلُ حِينَ يَنْصَرِفُ مِنْهَا إِلٰى ذِي الْحُلَيْفَةِ سِتَّةَ أَمْيَالٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ.» (حدیث:1111)

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُحَلِّقَةٌ.» (حدیث:1112)

نوٹ: اِن احادیث میں "**مرتفعة**" اور "**مُحَلِّقَة**" کے الفاظ اِستعمال ہوئے ہیں، دونوں کا معنیٰ ہے: "بلند"۔ احادیث کے سیاق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہ الفاظ غروب کے مقابل بولے گئے ہیں، جیسا کہ طلوع کے مقابل بھی "**مرتفعة**" بولا جاتا ہے۔ طلوع کے مقابل اِس لفظ کا اِطلاق ایک یا دو نیزوں کی مقدار بلند ہونے پر ہوتا ہے، اِسی طرح غروب کے مقابل بھی اِس کا اِطلاق اتنی ہی مقدار بلند ہونے پر ہوگا۔ (جس کی مقدار تقریباً 20منٹ ہے) یوں مذکورہ احادیث عصر کو تاخیر سے ادا کرنے پر دلیل ہیں۔

☆ سیدنا بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق جب آپ ﷺ سے نمازوں کے اوقات کے بارے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے دو دن نمازیں اول و آخر اوقات میں ادا فرما کر سائل کو اوقات تعلیم فرمائے۔ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے دن کے بارے فرماتے ہیں:

«ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ نَقِيَّةٌ.»

دوسرے دن کے بارے فرماتے ہیں:

«وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ، أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ...» (حدیث:874)

خلاصہ یہ کہ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دونوں دن نمازِ عصر کو تاخیر سے ادا فرمایا۔

☆ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف علاقوں کے ذمہ داروں کو مکتوب روانہ کیا، جس میں نماز کی تاکید فرمائی۔ اُس مکتوب میں درج ذیل حکم بھی جاری فرمایا:

«صَلُّوا الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً.» (حدیث:1119)

☆ حضرت عکرمہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں:

« فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ وَسَكَتَ حَتَّى رَاجَعْنَاهُ مِرَارًا. فَلَمْ يُصَلِّ الْعَصْرَ حَتَّى رَأَيْنَا الشَّمْسَ عَلَى رَأْسِ أَطْوَلِ جَبَلٍ بِالْمَدِينَةِ.» (حدیث:1120)

☆ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلظُّهْرِ وَأَشَدَّ تَأْخِيرًا لِلْعَصْرِ مِنْكُمْ.» (رقم:1121)

تم سے پہلے لوگ (صحابہ کرام علیہم الرضوان اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب) تمہاری بنسبت ظہر جلد ادا کرتے اور عصر تاخیر سے ادا کرتے۔

☆ حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«إِنَّمَا سُمِّيَتِ الْعَصْرَ لِتَعَصُّرٍ.» (رقم:1122)

نظر طحاوی: نظر کا تقاضا یہ ہے کہ تمام نمازوں کو اول وقت میں ادا کرنا مستحب ہو، مگر احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے احادیث کی روشنی میں نمازِ عصر کی تاخیر سے ادائیگی کو مستحب قرار دیا ہے۔

وجہ ترجیح: متعدد احادیث میں عصر کو تاخیر سے ادا کرنے کی تصریح ہے۔ جن بعض احادیث سے جلد ادا کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے اُن کی معارض روایات منقول ہیں یا اُن میں تاخیر سے ادا کرنے کا احتمال موجود ہے، لہٰذا تاخیر اولیٰ ہے۔

جوابات: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی مؤید روایات کے تفصیلی جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ سیدنا انس: سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز عصر کی ادائیگی کے بارے تین طرح کی روایات منقول ہیں:

پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر جلد ادا فرماتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان آپ ﷺ کے پیچھے نماز عصر ادا کرنے کے بعد دو، تین میل سفر طے کرکے "عوالی" میں پہنچتے تو اُن حضرات نے ابھی تک نماز عصر ادا نہیں کی ہوتی تھی، جیسا کہ حدیث: 1101 میں ہے۔ اِن احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر کو جلدی ادا فرماتے تھے۔ (اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن جیسے قوی حضرات کے لیے دو میل کا سفر 20 منٹ میں طے کرنا مشکل نہیں تھا، جب کہ عصر کا وقت (مثلین سے غروب تک) عموماً پونے دو گھنٹے کے قریب ہوتا ہے۔)

دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جن میں احتمال ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر کو تاخیر سے ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایتِ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ تعالیٰ منقول ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي، فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.» (حدیث: 1107)

اِس حدیث میں "والشمس مرتفعة" (سورج بلند ہوتا تھا) میں احتمال ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد ہو "جب وہ حضرات عوالی میں پہنچتے تو سورج بلند ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ زرد بھی ہو چکا ہوتا تھا" (مغرب کا وقت قریب ہوتا تھا)۔ اس احتمال کی درج ذیل روایات سے تائید ہوتی ہے:

1) حضرت ابوارْوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز عصر ادا کر کے پیدل ذوالحلیفہ جاتے۔ وہ فرماتے ہیں: «فَآتِيهِمْ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ.» (حدیث:1110)

میں سورج غروب ہونے سے پہلے اُن کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ (یعنی سورج زرد ہو چکا ہوتا اور غروب میں قلیل وقت باقی ہوتا)

2) سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ، يَسِيرُ الرَّجُلُ حِينَ يَنْصَرِفُ مِنْهَا إِلَى ذِي الْحُلَيْفَةِ سِتَّةَ أَمْيَالٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ.»

(حدیث:1111)

تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر کو تاخیر سے ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ احناف کے دلائل میں حدیث:1112 مذکور ہوئی۔

اِسی طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ مَا بَيْنَ صَلَاتَيْكُمْ هَاتَيْنِ.» (حدیث:1113)

اِس حدیث کے معنی میں دو احتمال ہیں: 1) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد ہے: ”تم (بنو اُمیہ) جس تاخیر کے ساتھ ظہر پڑھتے ہو اور جس وقت مغرب ادا کرتے ہو، اِن کے درمیان آپ ﷺ عصر ادا فرماتے تھے۔“ 2) مراد ہے: ”جلدی اور تاخیرِ شدید کے درمیانی وقت میں ادا فرماتے تھے۔“ دونوں صورتوں میں ثابت ہوتا ہے کہ نماز عصر تاخیر سے ادا فرماتے تھے۔

جب سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف روایات منقول ہیں تو اُن کی روایت سے نماز عصر کو جلد ادا کرنے پر استدلال درست نہیں۔

نوٹ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا:

«تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ - قَالَهَا ثَلَاثًا - يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا، لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهِنَّ إِلَّا قَلِيلًا.» (حدیث:1114)

اِس حدیث میں نماز عصر کو وقت مکروہ تک مؤخر کرنے کی مذمت ہے۔

روایتِ اُمّ المؤمنین: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہوا کہ آپ ﷺ جب نماز عصر ادا فرماتے تو اُن کے حجرہ میں دھوپ پڑ رہی ہوتی تھی۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز عصر تاخیر سے ہی ادا فرماتے تھے، مگر اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ پاک کی دیواریں چھوٹی تھیں اور دروازہ مغرب کی جانب تھا، (جیسا کہ روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والے خوش نصیبوں کو بخوبی معلوم ہے) جس کے سبب غروب کے قریب تک حجرہ شریف میں دھوپ کا کچھ حصہ باقی رہتا ہے۔

روایتِ سیدنا رافع: ممکن ہے کہ وہ حضرات جلدی سے ذبح، گوشت بنانے اور اُسے پکانے کا عمل سرانجام دیتے ہوں۔ لہٰذا اِس روایت سے بھی عصر کو جلد ادا کرنے پر استدلال درست نہیں۔

باب رفع اليدين فى افتتاح الصلاة إلى أين يبلغ بهما

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے ہاتھ کہاں تک اُٹھانا سنت ہے۔

پہلا قول: بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھانے کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔ نمازی جہاں تک چاہے ہاتھ اُٹھا سکتا ہے۔

دلیل: ☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ مَدًّا.» (حدیث:1124)

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک اُٹھانا سنت ہے۔

دلائل: ☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ رسول اللہ ﷺ کے بارے کہتے ہیں:

«كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.» (حدیث:1125)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (حدیث:1126) نیز حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر نو (9) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں ایسا ہی نقل کیا اور دیگر نے اُن کی تصدیق کی۔ (حدیث:1130)

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ سے پہلے سر جھکائے بغیر کانوں تک ہاتھ اُٹھانا، کہ انگوٹھے کانوں کی لَو سے چھوئیں اور اُنگلیوں کو قبلہ رُخ کرکے اُنھیں اپنے حال پر چھوڑ دینا سنت ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَ إِبْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ.» (حدیث:1131)

☆ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ يُكَبِّرُ لِلصَّلَاةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ.» (حدیث:1132)

نیز سیدنا مالک بن حُویرث اور حضرت ابو حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی مرفوعاً ایسا ہی نقل کیا۔ (حدیث:1134،1135)

جوابات: ☆ سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہاتھ اُٹھانے کے بارے تفصیل منقول ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ کانوں کے برابر تک ہاتھ اُٹھاتے تھے، پھر میں آئندہ سال حاضر ہوا، آپ ﷺ اور صحابہ علیہم الرضوان نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور اُن کے اندر ہی ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ راوی نے اِشارہ کیا کہ سینے تک اُٹھاتے تھے۔ (حدیث:1136)

سیدنا ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی روایات، جن میں کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے، چادر کے اندر رہا ہاتھ اُٹھانے پر محمول ہیں۔ اگر ہاتھ چادر سے باہر ہوں تو کانوں تک اُٹھانا سنت ہے۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، جو باب کے شروع میں مذکور ہے، اُس کے دو جوابات ہیں:

1) وہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں، کیونکہ اُس میں ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے، یہ مذکور نہیں کہ کہاں تک اُٹھاتے تھے؟ ممکن ہے کانوں تک ہی اُٹھاتے ہوں۔

2) ممکن ہے کہ اُس میں تکبیر تحریمہ سے پہلے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہو۔

نوٹ: علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روایات میں تعارض نہیں، اگر انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر ہوں تو کلائیاں کندھوں کے برابر یا اُن کے قریب ہوں گی۔ "ید" کا اطلاق پورے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جن روایات میں کندھوں کے برابر ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے، اُن سے مراد ہے کہ کلائیاں کندھوں کے برابر تھیں۔ جس راوی نے انگوٹھے کانوں کے برابر ہونے کا ذکر کیا اُس نے درحقیقت تطبیق کی ہے؛ لہٰذا اُس کی روایت راجح ہے۔ (ملخص از فتح القدیر)

باب ما یقال فی الصلاۃ بعد تکبیرۃ الافتتاح

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نمازی کے لیے تکبیر تحریمہ کے وقت توجیہ اور دیگر اذکار ماثورہ پڑھنا اولیٰ ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام اور منفرد کے لیے تحریمہ کے بعد آہستہ آواز سے ثنا پڑھنا پھر بلا وقفہ اعوذ باللہ پڑھنا پھر بلا وقفہ بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔(بہار شریعت:1/523)جب کہ مقتدی تحریمہ کے بعد موقع ہو تو صرف ثنا پڑھے گا۔ فرائض میں تکبیر تحریمہ سے پہلے یا اُس کے بعد توجیہ نہ پڑھیں۔(ایضاء ص:524)

نوٹ: توجیہ سے درج ذیل کلمات مراد ہیں:

«اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ . اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.»

دلائل: ☆ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

«وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ.» [الطور: 48]

”اور جب آپ قیام کریں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں۔“

امام جصاص علیہ الرحمہ نے بروایتِ ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اِس تسبیح سے نماز کے آغاز میں "سبحانک اللّٰھم" کہنا مراد ہے۔(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے تکبیر تحریمہ کے بعد درج ذیل الفاظ نقل کیے ہیں:

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ.» (حدیث:1139)

مذکورہ کلمات متعدد محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف صحابہ علیہم الرضوان سے روایت کیے ہیں۔

☆ سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ جب آپ ﷺ رات کو قیام کرتے تو تکبیر (تحریمہ) کہتے، پھر ثنا پڑھتے، پھر تین مرتبہ «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه» پڑھتے، پھر تین مرتبہ «اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا» کہتے، پھر کہتے:

«أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ.»

(حدیث:1137)

میں سننے اور جاننے والے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، اُس کے جنون سے، اُس کے تکبر سے اور اُس کے شعر سے۔ (اُس کے اثر کے سبب ہونے والے مذکورہ اُمور سے)

نوٹ: مذکورہ حدیث پاک نوافل سے متعلق ہے؛ لہٰذا ثنا کے بعد والے کلمات کے اِضافہ سے اِشکال وارد نہیں ہوتا۔

☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا ہی پڑھتے تھے۔ بعض اوقات لوگوں کو سکھانے کے لیے آواز بھی بلند فرماتے۔ (حدیث:1141، 1145)

دوسرا قول: امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا سے پہلے "توجیہ" سنت ہے۔

دلائل: ☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرمانے کے بعد درج ذیل کلمات پڑھتے تھے:

« وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ . اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ.» (حدیث:1146)

نوٹ: نمازی کو چاہیے کہ وہ "وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ" کی جگہ "وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ" پڑھے۔

وجہ ترجیح: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول راجح قرار دیا ہے۔ وجہ ترجیح یہ بیان فرمائی کہ جن روایات میں ثنا کے علاوہ کلمات مروی ہیں اُن میں ثنا والی روایات پر اِضافہ ہے؛ لہٰذا یہ راجح ہیں اور اِن پر عمل کرنا چاہیے۔

امام اعظم کے قول کی ترجیح: دیگر اصحابِ ترجیح علماءِ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول راجح قرار دیا ہے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ وجہ ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثُمَّ تَأْوِيلُ ذٰلِكَ كُلِّهِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ ذٰلِكَ فِي التَّطَوُّعَاتِ، وَالْأَمْرُ فِيهَا أَوْسَعُ. فَأَمَّا فِي الْفَرَائِضِ فَلَا يُزَادُ عَلَى مَا اشْتَهَرَ فِيهِ الْأَثَرُ، أَوْ كَانَ فِي الِابْتِدَاءِ ثُمَّ نُسِخَ بِالْآيَةِ، أَوْ تَأَيَّدَ مَا رَوَيْنَا بِمُعَاضَدَةِ الْآيَةِ." (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع)

خلاصہ یہ کہ توجیہ والی روایات کے تین جوابات ہیں:

1) وہ نوافل پر محمول ہیں۔ فرائض میں صرف وہی کلمات پڑھے جائیں گے جن کے بارے احادیث مشہور ہیں۔

2) وہ سورۂ طور کی آیت:48 کے ساتھ منسوخ ہیں۔

3) مذکورہ آیت کریمہ کی تائید سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے پیش کردہ احادیث، توجیہ والی روایات پر راجح ہیں۔

باب قراءة بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم فى الصلاة

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے یا نہیں، نیز نماز میں اُس کی قراءت کی جائے گی یا نہیں، اگر کی جائے تو بآوازِ بلند کی جائے گی یا آہستہ۔

پہلا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بسم اللہ شریف سورۂ فاتحہ کا جز ہے۔ اِسے جہری نمازوں کی ہر رکعت میں فاتحہ سے پہلے بلند آواز سے پڑھا جائے گا۔

دلائل: ☆ حضرت نُعیم بن مُجمِر رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ سے قراءت کا آغاز کیا اور سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہی تو مقتدیوں نے بھی آمین کہی۔ ازاں بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ ﷺ.» (حدیث:1150)

☆ بروایتِ ابن جُریج رحمہ اللہ تعالیٰ اُم المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِهَا، فَيَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ الخ» (حدیث:1151)

یعنی رسول اللہ ﷺ اُن کے حجرہ میں نماز ادا کرتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے، پھر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے۔

☆ سادا تنا عمر فاروق، عبد الرحمٰن بن ابزیٰ، ابن عمر، ابن عباس اور ابن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ سے پہلے بآوازِ بلند بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ (حدیث:1152 تا 1156)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ [الحجر: 87] (اور بیشک ہم نے آپ کو سات آیات دیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) کے بارے فرمایا کہ اِس سے سورۂ فاتحہ مراد ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ شریف پڑھی اور فرمایا: ''یہ ساتویں آیت ہے۔'' (حدیث:1157)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز میں قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے بسم اللہ پڑھی ہی نہیں جائے گی، نہ آہستہ آواز سے، نہ بلند آواز سے۔

دلائل: روایات میں ہے کہ آپ ﷺ قراءت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے۔ (رقم:1158، 1169، 1171) اِن روایات کا متن تیسرے قول کے تحت مذکور ہو گا۔

تیسرا قول: احناف اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورتوں کے شروع میں لکھی جانے والی بسم اللہ شریف قرآن کریم کی آیت ہے، مگر سورۂ فاتحہ سمیت کسی بھی سورت کا جز نہیں۔ نماز میں قراءت کرنے والے کے لیے آہستہ آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا سنت ہے۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ، وَيَفْتَتِحُ الْقِرَاءَةَ بِ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾، وَيَخْتِمُهَا بِالتَّسْلِيمِ.» (حدیث:1172)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ والد گرامی کو اِسلام میں بدعت (سیّئہ) بہت ناگوار تھی۔ اُنھوں نے مجھے نماز میں بسم اللہ پڑھتے سنا تو فرمایا:

«أَيْ بُنَيَّ! إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي قَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَلَمْ أَسْمَعْهَا مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ إِذَا قَرَأْتَ فَقُلْ: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾.» (حدیث:1161)

☆ متعدد اسانید کے ساتھ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ، فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} .» (حدیث:1163)

☆ ابووائل شقیق بن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«كَانَ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا لَا يَجْهَرَانِ بِ {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّأْمِينِ.» (حدیث:1173)

☆ سیدنا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبرِ اُمت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسم اللہ شریف بآوازِ بلند سے پڑھنے کے بارے نقل کیا: «ذٰلِكَ فِعلُ الْأَعْرَابِ.» (حدیث:1174)

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا نَهَضَ فِي الثَّانِيَةِ اسْتَفْتَحَ بِ {الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ} وَلَمْ يَسْكُتْ.» (حدیث:1158)

اگر بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا جز ہوتی تو آپ ﷺ دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے ساتھ اُس کی تلاوت فرماتے۔

نظر طحاوی: بالاتفاق بسم اللہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ سورتوں کا جز نہیں، مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے سورۂ فاتحہ کا جز بھی نہ ہو۔

جوابات: پہلے قول کے تحت مذکور روایات کے تفصیلی جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ سیدنا ابوہریرہ: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ دوسری رکعت میں تلاوت کا آغاز سورۂ فاتحہ سے کرتے تھے۔ (حدیث:1158) یہ حدیث نُعیم بن مُجمر رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے معارض ہے اور سند کے اعتبار سے اُس پر راجح ہے۔

محدثین علیہم الرحمہ نے یہ بھی فرمایا کہ نُعیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت معلول ہے (صحیح نہیں)، کیونکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُن کے علاوہ کسی ایک نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ وہ بسم اللہ بآواز بلند پڑھتے تھے۔

روایتِ سیدہ اُم سلمہ: بروایتِ ابن جُریج رحمہ اللہ تعالیٰ اُم المؤمنین سیدہ اُم سلَمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہوا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُن کے حجرہ میں نماز ادا کرتے تو بسم اللہ شریف پڑھتے، پھر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے۔ (حدیث:1151)

اِس حدیث سے اِستدلال کئی وجوہ سے مردود ہے:

1) دیگر اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قراءت کی کیفیت کو تفصیل سے بیان کیا تھا، نماز میں بسم اللہ شریف پڑھنا بیان نہیں فرمایا تھا۔ جیسا کہ بروایتِ ابن ابی مُلیکہ حضرت یعلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے:

«أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَعَتَتْ لَهُ قِرَاءَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.» (حدیث:1159)

2) یہ بھی احتمال ہے کہ ابن جُریج رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیان کردہ تفصیلی قراءت کو نقل کرتے ہوئے اپنی طرف سے بسم اللہ شریف اور سورۂ فاتحہ کی اجزابندی کی ہو۔

3) ممکن ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھی ہو، مگر اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قریب ہونے کے سبب سن لی ہو یا بغور دیکھنے کی وجہ سے معلوم ہوئی ہو۔

روایتِ سیدنا ابن عباس: سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بسم اللہ شریف کو سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت قرار دیا۔ (حدیث:1157) اِس کا جواب یہ ہے کہ دیگر متعدد دلائل اِس روایت کے معارض ہیں؛ لہٰذا اِس سے استدلال درست نہیں۔ چند معارض روایت درج ذیل ہیں:

1) ایک موقع پر سیدنا عبد اللہ بن عباس نے جامع القرآن سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سورۂ انفال

اور سورۂ براءت کے درمیان بسم اللہ شریف نہ لکھنے اور دونوں سورتوں کو "السبع الطول" (سات طویل سورتوں) میں شامل کرنے کی وجہ دریافت کی تو اُنھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے: "اجْعَلُوهَا فِي السُّورَةِ الَّتِي يَذْكُرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا" سورۂ براءت کا قصہ سورۂ انفال کے قصہ کے مشابہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ وصال فرماگئے اور میں آپ ﷺ سے اِس بارے دریافت نہ کرسکا (کہ یہ الگ سورت ہے یا پہلی سورت کا حصہ ہے)، مجھے خدشہ ہوا کہ یہ پہلی سورت کا حصہ ہو، اِس لیے میں نے دونوں کو ملادیا اور اُن میں {بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} کی سطر نہیں لکھی اور دونوں کو "السبع الطول" (سات طویل سورتوں) میں شامل کردیا۔ (حدیث:1160)

معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بسم اللہ شریف کسی بھی سورت کا جز نہیں، بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھی گئی ہے۔

2) وہ تمام دلائل جن میں بسم اللہ شریف کو آہستہ آواز سے پڑھنے کا ذکر ہے۔

3) سیدنا عِکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حَبرِ اُمت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسم اللہ شریف بآوازِ بلند سے پڑھنے کے بارے نقل کیا: «ذٰلِكَ فِعلُ الْأَعْرَابِ.» (حدیث:1174)

امام مالک کے دلائل کے جوابات: جن احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ تلاوت کا آغاز "الحمد للہ" سے کرتے، اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ راویوں نے بسم اللہ کو قرآن پاک کا حصہ شمار نہیں کیا، ذکر شمار کیا۔ اُن کی مراد ہے کہ "بسم اللہ" تو ذکر ہے، آپ ﷺ قرآن پاک کی تلاوت کا آغاز "الحمد للہ" سے کرتے تھے۔ جن احادیث میں بآوازِ بلند بسم اللہ پڑھنے کی نفی کی گئی ہے، وہ اِس معنیٰ کی مؤید ہیں۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورتوں کے شروع میں لکھی جانے والی بسم اللہ قرآن پاک کا جز نہیں، جب کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا راجح قول یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن پاک کا جز ہے، البتہ سورتوں کا جز نہیں، اُن کے درمیان فصل کے لیے ہے۔

باب القراءۃ فی الظہر والعصر

نمازِ ظہر اور عصر میں قراءت کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز ظہر اور عصر میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں جائے گی۔

دلیل: ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نماز ظہر اور عصر میں تلاوت کرتے تھے؟'' اُنھوں نے فرمایا: ''نہیں۔'' اُس نے کہا: ''شاید دل میں (آہستہ آواز سے) پڑھتے ہوں۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''نہیں۔'' (حدیث:1180)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قراءت کے حوالے سے ظہر اور عصر کا حکم بھی باقی نمازوں کی طرح ہے۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کی تفصیل یہ ہے کہ اُن کے نزدیک پہلی دو رکعات میں قراءت فرض ہے اور آخری دو رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا افضل ہے اِسی طرح ساتھ سورت ملانا افضل ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«انَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا.» (حدیث:1188)

☆ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«انَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَبِنَحْوِهِمَا مِنَ السُّوَرِ.» (حدیث:1194)

نیز امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولی المسلمین سیدنا علی، سیدنا ابو سعید خُدری، سیدنا عمران بن حصین اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ ایسی احادیث روایت کی ہیں، جن میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نمازِ ظہر اور عصر میں تلاوت فرماتے تھے۔

ساداتنا عمر فاروق، علی مرتضی، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، زید بن ثابت، جابر بن عبد اللہ، اُسامہ بن زید، خباب اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ وہ نماز ظہر اور عصر میں قراءت کرتے اور اِس کا حکم فرماتے۔

نظر طحاوی (برائے قائلینِ فرضیتِ قراءت): بالاتفاق نماز میں قراءت اور رکوع و سجود فرض ہیں اور اِس حکم میں تمام نمازیں یکساں ہیں۔ قعدۂ اُولیٰ سنتِ مؤکدہ ہے اور اِس حکم میں بھی تمام نمازیں یکساں ہیں۔ قعدۂ اخیرہ میں اختلاف ہے، جن کے نزدیک فرض ہے اُن کے نزدیک تمام نمازوں میں فرض ہے اور جن کے نزدیک فرض نہیں اُن کے نزدیک تمام نمازوں میں فرض نہیں۔

خلاصہ یہ کہ کسی امر کی فرضیت یا عدم فرضیت میں تمام نمازوں کا حکم یکساں ہوتا ہے۔ جب مغرب، عشا اور فجر میں قراءت فرض ہے تو نظر کا تقاضا ہے کہ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کیا جائے اور ظہر و عصر میں بھی قراءت فرض ہو۔

نظر طحاوی (برائے قائلینِ عدمِ فرضیتِ قراءت): بالاتفاق مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعات میں قراءت جہراً کی جاتی ہے اور آخری دو رکعات میں سراً۔ معلوم ہوا کہ اِن نمازوں میں جہر ساقط ہونے سے قراءت کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔ نظر کا تقاضا ہے کہ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کیا جائے اور ظہر و عصر میں بھی جہر ساقط ہونے سے قراءت کا حکم ساقط نہ ہو۔

جوابات: سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے اِستدلال کئی وجوہ سے مردود ہے:

1) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ ظہر اور عصر میں قراءت کی نفی اِس بنیاد پر کی کہ نبی کریم ﷺ قراءت نہیں فرماتے تھے۔ جب کہ دیگر روایات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اِس کا برعکس منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں:«قَدْ حَفِظْتُ السُّنَّةَ غَيْرَ أَنِّي لَا أَدْرِي أَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ أَمْ لَا.» (حدیث:1183)

2) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق کے بعد اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نمازِ ظہر اور عصر میں قراءت کے حوالے سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: «هُوَ إِمَامُكَ فَاقْرَأْ مِنْهُ مَا قَلَّ وَمَا كَثُرَ، وَلَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَلِيلٌ.» (حدیث:1186)

نیز امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند صحیح کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

« كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ.» (المصنف لابن ابی شیبۃ:8886)

باب القراءة فی صلاة المغرب

اِس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نمازِ مغرب میں کتنی قراءت مستحب ہے۔

پہلا قول: اہل ظاہر کے نزدیک نماز مغرب میں طویل قراءت کرنا اور لمبی سورتیں پڑھنا مستحب ہے۔

نوٹ: نخب الافکار میں یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے، مگر اُن کا مشہور قول یہ ہے کہ مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مستحب ہے۔ عمدۃ القاری اور الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ایسا ہی نقل کیا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا جُبیر بن مُطعِم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بدر کے قیدیوں سے متعلق مذاکرات کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ کہتے ہیں:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ.» (حدیث:1220)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ اُم فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُنھیں سورۂ مرسلات پڑھتے سنا تو فرمانے لگیں:

«يَا بُنَيَّ، لَقَدْ ذَكَّرَتْنِيْ قِرَاءَتُكَ هٰذِهِ السُّورَةَ أَنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ.» (حدیث:1223)

☆ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو نماز مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے سے روکا اور فرمایا:

«فَوَاللهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِأَطْوَلِ الطُّوَلِ، وَهِيَ الْمص.» (حدیث:1225)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز مغرب میں قصار مفصل پڑھنا سنت ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ.» (حدیث:1243)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے نماز مغرب میں سورۂ "التین" کی تلاوت فرمائی۔ (حدیث:1242) امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ: {قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ} و {وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ}»

(سنن ابن ماجه، رقم الحديث:833)

☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا انس بن مالک اور دیگر صحابہ علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اِقتدا میں نماز ادا کرنے کے بعد گھروں کو جاتے ہوئے تیر اندازی کرتے تھے اور روشنی باقی ہونے کی وجہ سے تیر گرنے کی جگہ نظر آرہی ہوتی تھی۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ نَأْتِي بَنِي سَلِمَةَ وَإِنَّا لَنُبْصِرُ مَوَاقِعَ النَّبْلِ.»

(حدیث:1236)

☆ سیدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محلے میں امامت کراتے تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے نمازِ مغرب میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء کا آغاز کیا۔ ایک شخص نے اکیلے نماز پڑھ لی اور بعد میں آپ ﷺ کی خدمت میں اِس بارے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا مُعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو مرتبہ اِرشاد فرمایا:

«أَفَاتِنٌ أَنْتَ يَا مُعَاذُ؟» پھر فرمایا:

«لَوْ قَرَأْتَ بِ"سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى"، "وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا"، فَإِنَّهُ يُصَلِّي خَلْفَكَ ذُوالْحَاجَةِ وَالضَّعِيفُ، وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ.» (حدیث:1237)

نوٹ: بعض روایات کے مطابق یہ واقعہ نماز عشا میں پیش آیا۔ اُن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مغرب میں قصارِ مفصل کی تلاوت مستحب ہے، کیونکہ اگر عشا کا وقت لمبا ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے طویل قراءت پر ناپسندیدگی کا اِظہار فرمایا تو مغرب میں بدرجۂ اولیٰ طویل قراءت خلاف مستحب ہوگی۔

☆ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکتوب روانہ فرمایا:

«اِقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِآخِرِ الْمُفَصَّلِ.» (حدیث:1246)

جوابات: ☆ سیدنا جُبیر بن مُطعِم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا۔ ممکن ہے کہ اُن کا مقصود ہو: "سورۂ طور کا کچھ حصہ پڑھتے سنا۔" جیسا کہ کوئی شخص قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھ رہا ہو تو کہا جاتا ہے: "هٰذا فُلَانٌ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ." فلاں شخص قرآن پڑھ رہا ہے۔ اِس احتمال کی تائید درج ذیل اُمور سے ہوتی ہے:

1) وہ روایات جن میں مختصر قراءت کا ذکر ہے۔

2) بروایتِ ہُشیم رحمہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، فَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ {إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ} [الطور: 7]، فَكَأَنَّمَا صُدِعَ قَلْبِي الخ.» (حدیث:1229)

معلوم ہوا کہ اُنھوں نے سورۂ طور کا کچھ حصہ سماعت کیا تھا۔ یہ روایت راجح ہے؛ کیونکہ اِس میں واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔

☆ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کو سورۂ اعراف کی تلاوت کرتے سنا۔ اِس میں بھی احتمال ہے کہ کچھ حصہ پڑھتے سنا ہو۔ جیسا کہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ سطور میں مذکور ہوا۔ نیز ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ مختصر سورتیں پڑھنے پر مروان کی تردید فرمائی ہو۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا آپ ﷺ بعض اوقات بیانِ جواز کے لیے طویل قراءت کرتے۔ نیز مذکورہ روایات حکایاتِ واقعات ہیں، اِن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ ہمیشہ طویل قراءت کرتے تھے۔

وجہ ترجیح: آپ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے نمازِ مغرب میں قصارِ مفصل کی تلاوت کا معمول ثابت ہے اور اہلِ ظاہر کی ذکر کردہ روایات میں تاویل ممکن ہے۔ اگر اُن میں تاویل نہ کی جائے، تو روایات میں تضاد لازم آئے گا؛ لہٰذا اُنھیں ایسے معنی پر محمول کرنا چاہیے کہ احادیث میں تعارض نہ ہو۔

باب القراءۃ خلف الإمام

مقتدی کے لیے قراءت کے حکم میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی قراءت کرے گا۔ اُن کے اقوال کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سِرّی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سِرّی نمازوں میں مقتدی کے لیے قراءت مستحب ہے اور جہری نمازوں میں مکروہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرّی نمازوں میں مستحب ہے اور جہری نمازوں میں امام کی قراءت کے دوران مکروہ ہے، آیات کے درمیانی وقفہ میں مستحب ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھائی تو آپ ﷺ پر قراءت ثقیل ہوگئی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم میرے پیچھے قراءت کرتے ہو؟'' ہم نے عرض کی: ''جی ہاں! یارسول اللہ۔'' فرمایا:

«فَلَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا.» (حدیث:1247)

''سورۂ فاتحہ کے علاوہ کی قراءت نہ کرو، کیونکہ جو سورۂ فاتحہ کی قراءت نہ کرے اُس کی نماز نہیں۔''

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے روایت کیا:

«كُلُّ صَلَاةٍ لَمْ يُقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ.» (حدیث:1248)

''جس نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت نہ کی جائے وہ ناقص ہے۔''

ایسے ہی کلمات سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روایت کیے۔ (حدیث:1250)

☆ ابو سائب رحمہ اللہ تعالیٰ کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درج بالا حدیث سنائی تو اُنھوں نے پوچھا: ”جب میں مقتدی ہوں تو کیا حکم ہے؟“ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«اِقْرَأْهَا يَا فَارِسِيُّ فِي نَفْسِكَ.» (حدیث:1250)

”اے فارسی! اُسے (سورۂ فاتحہ کو) دل میں پڑھ لیا کرو۔“

☆ حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قراءت خلف الامام کے بارے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”پڑھو۔“ کہتے ہیں:

وَإِنْ كُنْتُ خَلْفَكَ؟ قَالَ: «وَإِنْ كُنْتَ خَلْفِي» قُلْتُ: وَإِنْ قَرَأْتَ؟ قَالَ: «وَإِنْ قَرَأْتُ».

میں نے کہا: اگرچہ میں آپ کی اقتدا میں ہوں؟ فرمایا: ”اگرچہ تم میری اقتدا میں ہو۔“ میں نے کہا: اگرچہ آپ قراءت کر رہے ہوں؟ فرمایا: ”اگرچہ میں قراءت کروں۔“ (حدیث:1269)

☆ حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«صَلَّيْتُ مَعَ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، فَكَانَ يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ.» (حدیث:1271)

”میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی، وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔“

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی کو کسی نماز میں قراءت کی اِجازت نہیں۔ قراءت خلف الامام مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔

قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر دلائل

☆ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ} [الأعراف: 204]

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“

یہ آیت کریمہ مطلق ہے اور اِس بات پر واضح دلیل ہے کہ مقتدی کے لیے تمام نمازوں میں قراءت ممنوع ہے۔

نوٹ: اِس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ آیت قراءت خلف الامام کی ممانعت کے لیے نازل ہوئی۔ سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«كلُّ مَنْ سَمِعَ القرآنَ وجب عليه الإسْتِمَاعُ والإنصاتُ، قال: إنما نزلت هذه الآية {اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا} في القراءة خلف الإمام.» (التفسير المظهري)

”جو شخص بھی قرآن سنے اُس پر غور سے سننا اور خاموش رہنا لازم ہے۔ فرمایا: آیت کریمہ قراءت خلف الامام کے بارے ہے۔“

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا.» (حديث:1257)

”امام اِسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اُس کی اقتدا کی جائے، تو جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔“

یہ حدیث امام ابو داود، امام نسائی، امام ابن ماجہ دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی نقل کی۔ بعض ائمہ نے اِسے ضعیف قرار دیا مگر امام مسلم علیہ الرحمہ سے اِس کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "هُوَ عِنْدِيْ صَحِيحٌ" "میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد فی الصلوٰۃ)

☆ بروایتِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ». (حدیث:1259، قال العینی رحمہ اللہ تعالیٰ اسنادہ صحیح، نخب الافکار، ج:2، ص:157. واخرجہ ایضا ابن ماجۃ والبیہقی والدار قطنی. سنن ابن ماجۃ، باب اذا قرأ الامام فانصتوا، ج:3، ص:85، رقم الحدیث: 840. السنن الکبری للبیہقی، جلد:2، ص:160. سنن الدار قطنی، جلد:3، ص:361، رقم الحدیث:1246)

"جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی اُس کی قراءت ہے۔"

نوٹ: یہ حدیث سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی روایت کی ہے۔ (أخرجہ المصنف، حدیث:1264، وأخرجہ الدار قطنی ایضا، سنن الدار قطنی، ج:3، ص:366، رقم الحدیث:1251) سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اِس کے راوی ہیں۔ (الکامل ج 1 ص 322. المعجم الاوسط ج16 ص360 رقم الحدیث 7794) سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اِسے نقل کیا ہے۔ (سنن الدار قطنی، ج:،4 ص:177، رقم الحدیث:1522۔ سنن الدار قطنی، ج:3، ص:400، رقم الحدیث:1281) مزید تخریج "تفسیر تبیان القرآن" میں اِسی آیت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اقتدا میں قراءت کرتے تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِس پر ناپسندیدگی کا اِظہار کیا اور منع فرمایا۔ (رقم:1255 و1258 و1268) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«فَاتَّعَظَ الْمُسْلِمُونَ بِذٰلِكَ، فَلَمْ يَكُونُوا يَقْرَءُونَ.» (حدیث:1256)

"مسلمانوں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِرشاد سے نصیحت حاصل کی تو وہ قراءت نہیں کرتے تھے۔"

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مرضِ وفات کے دوران طبیعتِ مبارکہ میں کچھ بہتری محسوس کی تو مسجد میں رونق افروز ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِمامت کرا رہے تھے، وہ پیچھے ہو گئے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«فَاسْتَتَمَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ حَيْثُ انْتَهَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مِنَ الْقِرَاءَةِ...»

(شرح معانی الآثار، باب صلوة الصحیح خلف المریض، رقم: 2312)

"رسول اللہ ﷺ نے قراءت وہیں سے مکمل کی جہاں تک ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ چکے تھے۔"

☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:

«مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ.» (حدیث: 1272)

"جو امام کے پیچھے قراءت کرے وہ فطرت (سنت) پر نہیں۔"

☆ صاحبِ نعلین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنْصِتْ لِلْقِرَاءَةِ، فَإِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا وَسَيَكْفِيكَ ذٰلِكَ الْإِمَامُ.» (حدیث: 1273)

"قراءت کے لیے خاموش رہو، کیونکہ نماز میں ایک مشغولیت (وجوبِ حضورِ قلب) ہے اور تمھیں اِمام کی قراءت کافی ہے۔"

☆ حضرت عُبید اللہ بن مِقسم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قراءت خلف الامام کے بارے پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا:

«لَا تَقْرأْ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ.» (حدیث: 1278)

"امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قراءت نہ کرو۔"

☆ ابو جمرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حبرِ اُمت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: کیا میں قراءت کروں جب کہ امام میرے آگے ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: "نہیں۔" (حدیث: 1282)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قراءت خلف الامام کے بارے پوچھا جاتا تو آپ فرماتے:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْإِمَامِ.»

"جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اُسے امام کی قراءت کافی ہے۔"

راوی کہتے ہیں: "آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہیں کرتے تھے۔"

(حدیث:1283۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ مؤطا امام مالک، رقم الحدیث: 193، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: 1488، سنن کبری، ج:2، ص:161، موطا امام محمد، ص:94)

نظر طحاوی: ایک شخص اُس وقت جماعت میں شرکت کے لیے پہنچا جب امام رکوع میں تھا تو ضرورت اور رکعت فوت ہونے کے خوف کے باجود بالاتفاق اُسے کوئی رُکن ترک کرنے کی اِجازت نہیں۔ اگر وہ تکبیر تحریمہ نہ کہے یا قیام نہ کرے اور رکوع میں چلا جائے تو نماز ادا نہیں ہوگی۔ اِس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ شخص قراءت کیے بغیر رکوع میں شامل ہوگا۔ اگر مقتدی پر قراءت لازم ہوتی تو اُس کے بغیر رکوع میں شامل ہونا اور اِس رکعت کو شمار کرنا درست نہ ہوتا۔

بعض دیگر فقہا کی طرف سے درج ذیل نظر بھی پیش کی گئی ہے:

اگر مقتدی اور امام کے لیے قراءت کا حکم یکساں ہوتا تو مقتدی کو بھی امام کی طرح جہری نمازوں میں جہر کا حکم ہوتا۔ بالاتفاق وہ جہر کے حکم میں اِمام سے مختلف ہے تو نظر کا تقاضا ہے کہ وہ قراءت کے حکم میں بھی اِمام سے مختلف ہو۔

جوابات: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ روایات کے جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ "فھی خداج": اُم المؤمنین اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔ یہ حدیث منفرد اور امام پر محمول ہے، مقتدی اِس میں شامل نہیں۔ یعنی اِس سے مراد

ہے کہ اگر تنہا نماز پڑھنے والا یا امامت کرانے والا سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اُس کی نماز ناقص ہے۔ درج ذیل اُمور مقتدی کے خارج ہونے پر دلیل ہیں:

1) اگر مقتدی کو شامل رکھیں تو یہ حدیث اُن دلائل کے معارض ہوگی جن میں مقتدی کو قراءت سے روکا گیا ہے۔

2) سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسے کلمات نقل کیے، مگر اُنھوں نے مقتدی کو اِس حکم سے خارج قرار دیا ہے۔ بروایتِ کثیر بن مرہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! کیا ہر نماز میں قراءت ضروی ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' ایک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ''قراءت لازم ہوگئی۔'' کثیر بن مرہ کہتے ہیں: سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے فرمایا:

«أُرٰى أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ فَقَدْ كَفَاهُمْ .» (حدیث:1253)

''میں سمجھتا ہوں کہ امام جب لوگوں کی امامت کرے تو وہ اُنھیں (قراءت سے) کافی ہے۔''

اِس حدیث میں ہے کہ انصاری نے کہا: ''قراءت لازم ہوگئی۔'' آپ ﷺ نے اِس کی تردید نہیں فرمائی۔ اِس کے باوجود سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہی سمجھے ہیں کہ مقتدی اِس حکم سے خارج ہے۔

3) جب حدیث کے مطابق ''مقتدی کے لیے امام کی قراءت کافی ہے'' تو خاموشی کے باوجود گویا اُس نے قراءت کی ہے۔

روایتِ سیدنا عُبادہ: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اُن کی روایت کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) وہ روایت آیت کریمہ نازل ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔

2) وہ روایت آیتِ کریمہ اور احناف کے دلائل میں مذکور احادیث کے معارض ہے؛ لہٰذا مرجوح ہے۔

3) اُس کی سند میں کلام ہے، یہی وجہ ہے کہ شیخین رحمہا اللہ تعالیٰ نے اُسے ذکر نہیں کیا، حالانکہ اِمام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے رفع یدین کے دلائل جمع کرنے میں حریص تھے۔

قولِ سیدنا ابوہریرہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوسائب رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرمایا: ”اے فارسی! (جب تم مقتدی ہو تو) سورۂ فاتحہ دل میں میں پڑھ لیا کرو۔“(حدیث:1250) اِس کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال اِس روایت کے معارض ہے۔

2) "اِقْرَأْهَا يَا فَارِسِيُّ فِيْ نَفْسِكَ " کا معنی ہے:"تَدَبَّرْ ذٰلِکَ وَتَذَكَّرْهُ فِيْ نَفْسِكَ " یعنی تم دل میں اُس کے معانی پر غور کرو۔

3) ابوسائب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قراءت خلف الامام کو بعید سمجھا تبھی یہ سوال کیا۔ یہ اِستبعاد دلیل ہے کہ اُن کے ہاں قراءت خلف الامام معروف نہیں تھی۔

قولِ سیدنا عمر: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے دلائل کے تحت مذکور ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قراءت خلاف الامام کا حکم فرمایا۔ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصنف میں اِس کا برعکس نقل کیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«وَدِدْتُّ أَنَّ الَّذِی یَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ فِيهِ حَجَرٌ.»

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث: 2806)

”میں چاہتا ہوں کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔“

لٰہذا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال درست نہیں۔

باب الخفض فی الصلاۃ ھل فیه تکبیر

رکوع وسجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر مسنون ہونے سے متعلق ائمہ اکرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا سنت نہیں۔

دلیل: سیدنا عبد الرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ وہ فرماتے ہیں: «فَكَانَ لَا يُتِمُّ التَّكْبِيرَ.» (حدیث:1285)

یعنی آپ ﷺ تمام انتقالات میں تکبیر نہیں کہتے تھے۔

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انتقالات میں (کسی بھی رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے ہوئے) تکبیر کہنا سنت ہے۔ یعنی رکوع سے اُٹھتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» کہنا اور دیگر انتقالات میں «اَللّٰهُ أَكْبَر» کہنا سنت ہے۔

دلائل: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ وَضْعٍ وَرَفْعٍ. قال: وَرَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ.» (حدیث:1287، 1288)

نیز سیدنا ابو مسعود، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابو موسی اشعری، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ اور خلفاءِ کرام سے نقل کیا کہ وہ تمام انتقالات میں تکبیر کہتے تھے۔ (حدیث:1289 تا 1297)

نظر طحاوی: بالاتفاق نماز میں دخول تکبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔ رکوع اور سجدہ سے اُٹھتے ہوئے، نیز قیام کی طرف جاتے ہوئے تکبیر مسنون ہونے پر بھی اتفاق ہے، جب کہ رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر مسنون

ہونے میں اختلاف ہے۔ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے اِن انتقالات میں بھی تکبیر مسنون ہو۔

جواب: سیدنا عبد الرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ باب میں مذکور کثیر روایات اُس کے معارض ہیں؛ لہٰذا وہ مرجوح ہے۔ نیز اُس روایت میں "لا یُتِمُّ التکبیرَ" سے مراد ہے: "لم یُتِمَّ الجھرَ بہٖ" یعنی پوری طرح جہر نہیں فرماتے تھے۔ یا مراد ہے: "لم یَمُدَّ التکبیرَ" یعنی تکبیر کو لمبا نہیں کرتے تھے۔

وضاحت: باب کی متعدد احادیث میں مذکور ہوا کہ آپ ﷺ ہر مرتبہ اُٹھتے ہوئے اور جھکتے ہوئے تکبیر کہتے۔ اِسی طرح امام طحاوی نے فرمایا: ''رکوع اور سجدہ سے خروج تکبیر کے ساتھ ہوتا ہے۔'' اِن عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ رکوع سے اُٹھتے ہوئے بھی «اَللّٰهُ أَكْبَر» کہنا سنت ہے، حالانکہ رکوع سے اُٹھتے ہوئے «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» کہنا مسنون ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دراصل صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا مقصود اُن لوگوں کی تردید کرنا تھا جو کہتے کہ رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہی جائے گی، یہ مقصود نہیں تھا کہ رکوع سے اُٹھتے ہوئے «اَللّٰهُ أَكْبَر» کہا جائے۔ اِسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ باب اِنھیں لوگوں کا موقف ردّ کرنے کے لیے قائم کیا ہے۔ رکوع سے اُٹھتے ہوئے تسمیع کی نفی مقصود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام طحاوی نے ایک باب کا عنوان قائم کیا: "بَابٌ الْإِمَامُ يَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، هَلْ يَنْبَغِي لَهٗ أَنْ يَقُولَ بَعْدَهَا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ أَمْ لَا ؟"

باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع أم لا

رکوع سے پہلے اور اُس کے بعد ہاتھ اُٹھانے کی سنیّت میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفعِ یدین (ہاتھ اُٹھانا) مستحب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اُٹھاتے۔ فرماتے ہیں:

«وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِكَ إِذَا قَضٰى قِرَاءَتَهٗ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَيَصْنَعُهٗ إِذَا فَرَغَ وَرَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ، وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهٖ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ وَكَبَّرَ.» (حدیث:1302)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ، وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.» (حدیث:1304)

☆ سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اِسی طرح نقل کیا۔ (حدیث:1309) اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تین مقامات پر رفعِ یدین روایت کیا۔ (حدیث:1312)

☆ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ، وَإِذَا رَكَعَ.» (سنن ابن ماجہ)

☆ بقولِ محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ابو حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر نو صحابہ علیہم الرضوان کی موجودگی میں بیان کیا کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ، رکوع اور سجدہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ مبارک اُٹھاتے۔ نیز دونوں سجدوں سے اُٹھنے کے بعد کندھوں تک ہاتھ اُٹھاتے۔ دیگر صحابہ علیہم الرضوان نے اِس کی تصدیق کی۔(حدیث:1307)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اُٹھانا سنت ہے، عام نمازوں میں اِس کے علاوہ کسی موقع پر ہاتھ اُٹھانا سنت نہیں۔مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشہور قول کے مطابق تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا مندوب ہے، اِس کے علاوہ رفع یدین مکروہ ہے۔(الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُونَ إِبْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ ، ثُمَّ لَا يَعُودُ.» (حدیث:1313)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کا عمل مبارک یوں بیان کرتے ہیں:

«أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ، ثُمَّ لَا يَعُودُ.» (حدیث:1316)

نیز امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

« أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ؟»

”کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟“ راوی کہتے ہیں:

« فَصَلّٰى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ. » (ترمذی:257)

”پھر آپ نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی بار (تکبیر تحریمہ کے وقت) رفع یدین کیا۔“

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل نقل کیا کہ آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(حدیث:1328)

☆ حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ، ثُمَّ لَا يَعُودُ.»

(حدیث:1329)

☆ عاصم بن کُلیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بارے نقل کیا:

«كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ مِنَ الصَّلَاةِ ، ثُمَّ لَا يَرْفَعُ بَعْدُ.» (حدیث:1320)

☆ حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں:

«صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ.» (حدیث:1323)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رفع یدین ترک کرنا اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اُس پر اِنکار نہ کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ رفعِ یدین مسنون نہیں۔

نظر طحاوی: بالاتفاق تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنت ہے اور دونوں سجدوں کے درمیان تکبیر کے وقت سنت نہیں۔ رکوع اور سجدہ کی تکبیر کے وقت رفع یدین میں اختلاف ہے۔ تکبیر تحریمہ نماز کا رُکن ہے اور دیگر تکبیرات نماز کے ارکان سے نہیں تو نظر کا تقاضا ہے کہ رکوع اور سجدہ کی تکبیرات کو دونوں سجدوں کے درمیان والی تکبیر کے ساتھ لاحق کیا جائے نہ کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ۔

جوابات: رفع یدین کی سنیّت پر پیش کیے جانے والے دلائل کے جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ مولی المسلمین: بروایتِ عاصم بن کُلیب رحمہ اللہ آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مذکور ہوا کہ آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔(حدیث:1320)

ابن ابی زِناد علیہ الرحمہ نے آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے رفع یدین کی جو حدیث نقل کی، اُس میں دو احتمال ہیں:

1) وہ روایت محفوظ نہیں ہے۔ عبد اللہ بن فضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے یہ حدیث نقل کی، مگر اُس میں رفع یدین مذکور نہیں۔ (حدیث:1322)

2) وہ روایت صحیح ہے، مگر بعد میں آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی رائے یہ قرار پائی تھی کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ (حدیث:1320) ابن ابی زِناد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق آپ نے سرکار ﷺ کو رفعِ یدین کرتے دیکھا، پھر اُسے تبھی ترک کیا جب منسوخ سمجھتے تھے۔

روایتِ سیدنا ابن عمر: حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ (حدیث:1323)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رفع یدین کو تبھی ترک کیا جب جانتے تھے کہ وہ منسوخ ہو چکا ہے۔

نوٹ: حضرت طاؤس رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار ﷺ کے وصال مبارک کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ یہ نسخ کا علم ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔

روایتِ سیدنا وائل: سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مرجوح ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی عنہ کی روایت راجح ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن سے پہلے اسلام لائے اور آپ ﷺ کے افعال کو خوب سمجھتے تھے۔ احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مہاجرین اور اہل عقل و فضل کو نماز میں اپنے قریب کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ (حدیث:1326) یہی وجہ ہے کہ جب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پیش کی گئی تو انھوں نے فرمایا:

«إِنْ كَانَ وَائِلٌ رَآهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَدْ رَآهُ عَبْدُ اللهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ.»

(حدیث:1318)

اشکال: مذکورہ حدیث کی سند متصل نہیں۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک راوی کو حذف کیا ہے۔

جوابات: اس اشکال کے دو جوابات ہیں:

1) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری سند کے ساتھ رفع یدین کو ترک کرنا متصلاً بھی مروی ہے۔(حدیث:1316)

2) ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث منقطعاً روایت کریں وہ متصل سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔(رقم:1327)

روایتِ سیدنا ابوہریرہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث اسماعیل بن عیاش نے صالح بن کیسان رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اہل جرح وتعدیل نے ذکر کیا کہ اسماعیل بن عیاش رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو احادیث اہل شام سے روایت کیں وہ محفوظ ہیں اور جو اہل حجاز واہل عراق وغیرہ سے نقل کیں وہ مخلوط ہیں، کیونکہ اُن کا حافظہ بھی قوی نہ رہا اور کتاب بھی ضائع ہوگئ تھی۔

روایتِ سیدنا انس: سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث صرف عبد الوہاب ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مرفوعاً نقل کی ہے، حفاظِ حدیث نے اِسے موقوفاً روایت کیا ہے(سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا عمل نقل کیا ہے)؛لہٰذا اِس سے استدلال درست نہیں۔

روایتِ سیدنا ابو حُمید: سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث عبد الحمید بن جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے، اُنھیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز یہ سند منقطع ہے، کیونکہ دوسری سند سے وضاحت ہوتی ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ایک راوی محذوف ہے، جس کا علم نہیں۔(حدیث:1505) نیز دیگر صحابہ علیہم الرضوان کے تصدیق کرنے کا ذکر بھی فقط ابوعاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، باقی راویوں نے اِس کا ذکر نہیں کیا۔

باب التطبيق فی الرکوع

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ رکوع میں ہاتھ کہاں رکھنے چاہییں؟

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کو رکوع میں دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ملا کر ہاتھ دونوں رانوں کے درمیان رکھنے چاہییں۔

دلیل: حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِقتدا میں نماز ادا کی۔ وہ فرماتے ہیں:

«ثُمَّ رَكَعْنَا فَوَضَعْنَا أَيْدِيَنَا عَلٰى رُكَبِنَا، فَضَرَبَ أَيْدِيَنَا، فَطَبَّقَ ثُمَّ طَبَّقَ بِيَدَيْهِ، فَجَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ.» (حدیث:1333)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے چاہییں۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”مرد کے لیے رکوع میں گھٹنوں کو ہاتھ سے پکڑنا اور اُنگلیاں خوب کھلی رکھنا سنت ہے۔“

(ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:525)

دلائل:

☆ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«أَمِسُّوا فَقَدْ سُنَّتْ لَكُمُ الرُّكَبُ.» (حدیث:1336)

☆ سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا رَكَعَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ.» (حدیث:1340)

☆ سیدنا ابو مسعود، سیدنا ابو حمید ساعدی، سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص علیہم الرضوان نے بھی ایسا ہی نقل کیا۔(حدیث:1337 تا1342)

نظر طحاوی: بالاتفاق سجدہ وغیرہ ارکانِ نماز میں اعضا کے درمیان کشادگی کرنا اور اُنھیں ایک دوسرے سے دُور رکھنا سنت ہے۔(جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب کے آخر میں متعدد احادیث نقل کی ہیں)اِسی طرح قیام میں تراوُح (باری باری دونوں پاؤں پر وزن ڈالنا) سنت ہے۔ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا سنت ہو، کیونکہ اِس میں اعضا کے درمیان کشادگی ہے، جب کہ ''تطبیق''میں اعضا کو ملانا ہے۔

جواب: باب کے شروع میں مذکور روایات کا جواب یہ ہے کہ رکوع میں رانوں کے درمیان ہاتھ رکھنے کا حکم منسوخ ہے۔ حضرت مصعب بن سعد علیہ الرحمہ نے اپنے والد گرامی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے نماز پڑھی اور رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان رکھا تو اُنھوں نے فرمایا:

«يَا بُنَيَّ! إِنَّا كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا، فَأُمِرْنَا أَنْ نَضْرِبَ بِالْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ.» (حدیث:1342)

باب مقدار الرکوع والسجود الذی لایجزئ أقلّ منه

رکوع وسجود کی کم از کم مقدار میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوع وسجود کی کم از کم مقدار تین تسبیحات کا وقت ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي رُكُوعِهِ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ" ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ، وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ، وَإِذَا قَالَ فِي سُجُودِهِ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" ثَلَاثًا فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ، وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ.»

(حدیث:1356)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوع کی کم از کم مقدار ایک تسبیح کا وقت ہے۔ تین بار تسبیح کہنا سنت ہے، اِس سے زیادہ کہنا اور طاق عدد پر ختم کرنا افضل ہے۔

دلیل: سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے صاحبِ کوثر ﷺ کے سامنے نماز ادا کی۔ آپ ﷺ نے اُسے نماز کا طریقہ سکھایا، جس میں اِطمینان کے ساتھ رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ کرنے کا حکم دیا اور دیگر فرائض تعلیم فرمائے۔ ازاں بعد فرمایا:

«فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ، وَمَا أَنْقَصْتَ مِنْ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا تُنْقِصُ مِنْ صَلَاتِكَ.» (حدیث:1358)

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے دیگر فرائض کے ساتھ سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح کا ذکر نہیں کیا، اگر تین مرتبہ تسبیح فرض ہوتی تو آپ ﷺ یہ بھی تعلیم فرماتے۔

جواب: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں آپ ﷺ کے ارشادِ مبارک «وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ» سے اِستحباب وسُنیّت کا ادنیٰ درجہ مراد ہے۔ یعنی اگر نمازی تین مرتبہ سے کم تسبیح کہے تو سنت ادا نہیں ہوگی۔

باب ما ینبغی أن یقال فی الرکوع والسجود

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ رکوع وسجود میں خاص کلمات کہنا سنت ہے یا نمازی کو اختیار ہے کہ کوئی بھی کلمات کہہ لے۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کے لیے رکوع وسجود میں کوئی کلمات معین نہیں۔ وہ جو چاہے ذکر اور دعا کر سکتا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ سَاجِدٌ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ.» (حدیث:1377)

☆ نیز مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ سے رکوع وسجود میں مختلف کلمات نقل کیے۔(حدیث:1361،1366،1373)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کے لیے رکوع میں تسبیح کہنا سنت ہے، البتہ سجدہ میں جو چاہے ذکر ودعا کر سکتا ہے۔

☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم روایت کرتے ہیں کہ مقصودِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

«نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ وَأَنَا رَاكِعٌ أَوْ سَاجِدٌ. فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ، وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ.» (حدیث:1365)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ ﷺ سے ایسا ہی نقل کیا۔(حدیث:1366)

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کے رکوع و سجود میں تین بار تسبیح کہنا سنت ہے، دیگر اذکار مسنون نہیں۔ تطویل فاحش خلافِ سنت ہے۔ البتہ منفرد اگر بعض کلماتِ ماثورہ کا اِضافہ کرے تو حرج نہیں، اِسی طرح اگر امام اِضافہ کرے اور مقتدیوں میں سے کسی پر گراں نہ ہو تو حرج نہیں۔ ہاں! نوافل میں جو چاہے ذکر و دعا کر سکتا ہے۔ (مفہوم از فتاوی رضویہ، ج:6، ص:170)

دلائل: ☆ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

لَمَّا نَزَلَتْ {فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ} [الواقعة: 74] قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ» وَلَمَّا نَزَلَتْ {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى} [الأعلى: 1] قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُمْ.» (حدیث:1378)

☆ سیدنا حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيم" ثَلَاثًا، وَفِي سُجُودِهِ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا".» (حدیث:1382)

نظرِ طحاوی: بالاتفاق تکبیر تحریمہ، تکبیراتِ انتقال اور تشہد وغیرہ اذکار شریعت کی طرف سے مقرر ہیں اور نمازی کو اِن کے بجائے دیگر کلمات کی اِجازت نہیں، اگرچہ وہ اِن کے ہم معنی ہوں۔ البتہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد اِجازت ہے کہ جو چاہے ماثور دعا پڑھے، کیونکہ آپ ﷺ نے اِس بارے نمازی کو اختیار دیا ہے۔ (حدیث:1383) مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ رکوع و سجود میں بھی ذکر معین ہو اور نمازی کو اُس میں تبدیلی کی اجازت نہ ہو۔

جوابات: جن احادیث میں رکوع و سجود سے متعلق مختلف ادعیہ واذکار کا ذکر ہے، اُن کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) وہ اذکار قول ثانی وثالث کے تحت مذکور آیات واحادیث سے پہلے کے ہیں؛ لہٰذا منسوخ ہیں۔

اعتراض: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مؤیدہ احادیث کو منسوخ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کی علالت کے باعث صحابۂ کرام علیہم الرضوان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے، آپ ﷺ نے حجرۂ پاک کا پردہ ہٹایا اور وہ کلمات اِرشاد فرمائے۔(حدیث:1366)

جواب : اُن روایات میں یہ تصریح نہیں کہ مذکورہ کلمات مرض وفات میں اِرشاد فرمائے۔ ممکن ہے کہ پہلے کسی علالت کے دوران ارشاد فرمائے ہوں، بعد میں صحت یابی کے بعد آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔ جس طرح امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک "أما الركوع الخ"(حدیث:1365) رکوع میں مختلف دعاؤں کی اِجازت کے لیے ناسخ ہے، اِسی طرح ہمارے نزدیک آیت کریمہ سجدہ میں دعاؤں کی اِجازت کے لیے ناسخ ہے۔

2) وہ نوافل پر محمول ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:" قومہ و جلسہ (اِسی طرح رکوع و سجود) کے اذکارِ طویلہ نوافل پر محمول ہیں، و لہٰذا ہمارے ائمہ فرائض میں اُنھیں مسنون نہیں جانتے ،اور شک نہیں کہ فرائض میں تطویل فاحش خلاف سنّت ہے اور امام کے لیے تو قطعاً ممنوع، جب کہ مقتدیوں میں کسی پر بھی گراں ہو، ہاں! منفرد بعض کلماتِ ماثورہ بڑھائے تو حرج بھی نہیں، یوں ہی اِمام بھی جب کہ مقتدی محصور (چند) اور سب راضی ہوں، رہا مقتدی وہ آپ ہی اتباعِ امام کرے گا، اگر امام کہے، کہے ورنہ نہیں۔(فتاوی رضویہ، ج:6، ص:169، مسئلہ:408)

3) وہ بیانِ جواز پر محمول ہیں۔ یعنی آپ ﷺ بعض اوقات بیان جواز کے لیے مختلف دعائیہ کلمات پڑھتے تھے، وہ مسنون نہیں ہیں۔

باب الإمام يقول سمع الله لمن حمده هل ينبغي له أن يقول بعدها ربّنا ولك الحمد أم لا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ امام کے لیے رکوع سے اُٹھنے کے بعد "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد" کہنا سنت ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام اعظم اور امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوع سے اُٹھنے میں اِمام کے لیے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہنا، مقتدی کے لیے "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد" کہنا اور منفرد کے لیے دونوں کہنا سنت ہے۔ (ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:527)

نوٹ: صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد" سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے، مگر "واوَ" ہونا بہتر ہے اور "اَللّٰھُمَّ" ہونا اِس سے بہتر، اور سب میں بہتر یہ ہے کہ دونوں ہوں۔" مزید لکھا: "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کی "ہ" کو ساکن پڑھے، اس پر حرکت ظاہر نہ کرے۔" (ایضا)

دلائل: ☆ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی تو اِرشاد فرمایا:

«إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَاذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" فَقُولُوا: "اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد"، يَسْمَعِ اللهُ لَكُمْ. فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ.» (حدیث:1386)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ رحمت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

«إِذَا قَالَ الْإِمَامُ "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" فَقُولُوا: "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ". فَإِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.» (حدیث:1391)

دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مفہوم سیدنا انس، سیدنا ابو سعید خُدری اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی نقل کیا۔ (امانی الاحبار)

اِن احادیث میں آپ ﷺ نے امام اور مقتدی کے حق میں کلمات کی تقسیم فرمائی ہے اور تقسیم شراکت کے منافی ہے۔

دوسرا قول: صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام کے لیے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کہنے کے بعد "اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہنا سنت ہے۔ امام طحاوی علیہ الرحمہ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے بارے نقل کرتے ہیں:

«كَانَ إِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" قَالَ: "اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ"» (حدیث:1398)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں سورج گرہن ہوا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ فرماتی ہیں:

"فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ: «سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ.»"

(حدیث:1399)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ ﷺ سے ایسا ہی نقل کیا۔ (حدیث:1400)

جواب: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے کہا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ" کہنا مقتدی کے ساتھ

خاص ہے۔ بالاتفاق منفرد کے لیے تسمیع و تحمید دونوں سنت ہیں۔ جس طرح اِس حدیث سے منفرد کے حق میں دونوں کلمات کہنے کی نفی نہیں ہوتی، اِسی طرح امام کے حق میں بھی دونوں کلمات کہنے کی نفی نہیں ہوتی۔

نظر طحاوی: ارکان نماز اور مفسدات و مکروہاتِ نماز میں امام اور منفرد کے احکام یکساں ہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ وہ تسمیع و تحمید کے حکم میں یکساں ہوں۔ جس طرح منفرد کے لیے دونوں مسنون ہیں، اِسی طرح امام کے لیے بھی دونوں مسنون ہوں۔

امام اعظم کی طرف سے جوابات: احناف نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے دلائل کے درج ذیل جوابات ذکر کیے:

حدیثِ سیدنا ابوہریرہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعدد جوابات ہیں:

1) اِس میں تصریح نہیں کہ آپ ﷺ اِمامت کی حالت میں تسمیع و تحمید کو جمع فرماتے تھے۔
2) اگر یہ کہا جائے اکثر اوقات آپ ﷺ امام ہوتے تھے؛ لہٰذا اِس حدیث سے اِمامت کی حالت میں دونوں کو جمع کرنا ثابت ہوتا ہے تو ہم اِسے بیان جواز پر محمول کریں گے۔
3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میری نماز آپ ﷺ کی نماز کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔" اِس سے تکبیرات انتقال وغیرہ میں مشابہت مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث: 1297 میں گزرا۔

حدیثِ اُمّ المؤمنین: اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گرہن کی نماز میں یہ کلمات پڑھنا نقل کیا۔ آپ ﷺ نے یہ کلمات بطورِ قنوت پڑھے تھے، اور وتر کے علاوہ نمازوں میں قنوت منسوخ ہو چکی ہے۔

حدیثِ سیدنا ابن عمر: سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں تصریح نہیں کہ آپ ﷺ نے اِمامت کی حالت میں دونوں کو جمع فرمایا۔

قولِ امام کی وجہ ترجیح: احناف کے ہاں فتوی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہے، وجہ ترجیح یہ ہے کہ امام اعظم نے قولی حدیث سے استدلال کیا ہے، جب کہ دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مستدل احادیث فعلیّہ ہیں۔ ضابطہ ہے کہ تعارض کے وقت قول کو فعل پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

جوابِ نظرِ طحاوی: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ اِمام اور منفرد کے تمام احکام یکساں ہیں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ تحمید کے مسئلہ میں اِمام کو منفرد پر قیاس کرنا درست نہیں، کیونکہ منفرد تسمیع کے ساتھ خود کو حمد کی ترغیب دلاتا ہے؛ لہٰذا اُس کے لیے اِس کے بعد تحمید سنت ہے، جب کہ امام تسمیع کے ساتھ مقتدیوں کو حمد کی ترغیب دلاتا ہے، یوں وہ بھلائی کی طرف دعوت دینے کے سبب تحمید کے کلمات کہے بغیر ہی اُن کا ثواب پالیتا ہے۔ (ملخص از ہدایہ)

باب القنوت فی صلاۃ الفجر وغیرھا

وِتر کے علاوہ نمازوں میں قنوت پڑھنے سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز فجر میں رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے۔ اگر مسلمانوں پر معاذ اللہ کوئی بڑی مصیبت واقع ہو تو دیگر نمازوں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر میں رکوع سے سر انور اُٹھانے کے بعد حالتِ قیام میں درج ذیل دعا پڑھتے:

«اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ كَسِنِي يُوسُفَ. اللّٰهُمَّ الْعَنْ لِحْيَانَ وَرِعْلًا وَذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ.» (حدیث:1401)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھنا نقل کیا ہے۔(حدیث:1407، حدیث:1408)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ فجر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ امام اور مقتدی آہستہ آواز سے قنوت پڑھیں گے۔

دلیل: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

" إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدَ الرَّكْعَةِ شَهْرًا. " راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ”پھر قنوت کی کیفیت کیا ہے؟“ تو اُنھوں نے فرمایا: ”رکوع سے پہلے۔“ (حدیث:1418)

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر میں قنوت پڑھنا واجب ہے۔ وتر کے علاوہ کسی بھی نماز میں قنوت پڑھنا ممنوع ہے۔ البتہ اگر معاذ اللہ مسلمانوں کو کوئی بڑا حادثہ پیش آئے تو نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی جاسکتی ہے۔ امام کو چاہیے کہ آہستہ آواز سے قنوت پڑھے اور مقتدی بھی دعا میں مشغول رہیں، ہاں! اگر امام بآوازِ بلند پڑھے تو مقتدی آہستہ آواز سے آمین کہیں، کہ نماز میں بآوازِ بلند آمین کہنا مکروہ ہے۔ (ملخص از فتاوی رضویہ، ج:7، مسئلہ:۱۰۹۶)

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نماز وتر کے علاوہ قنوت نہیں پڑھی جائے گی، البتہ کسی بڑی مصیبت کی صورت میں تمام نمازوں میں قنوت پڑھی جاسکتی ہے۔

نوٹ: امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متقدمین احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول راجح قرار دیا ہے کہ وتر کے علاوہ نمازوں میں قنوت مطلقاً ممنوع ہے، خواہ امن کی حالت ہو یا خوف وجنگ کی۔

دلائل: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد احادیثِ مرفوعہ اور اکابر صحابہ علیہم الرضوان کے اقوال وعمل سے استدلال کیا ہے۔

احادیثِ مرفوعہ: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«لَمْ يَقْنُتِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا شَهْرًا، لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ.» (حدیث:1430)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کے بارے پوچھا گیا تو اُنھوں نے فرمایا:

«مَا شَهِدْتُ وَمَا رَأَيْتُ.» (حدیث:1433)

یعنی قنوت منسوخ ہونے کے بعد نہ تو میں میری موجودگی میں قنوت پڑھی گئی اور نہ میں نے کسی کو پڑھتے دیکھا۔

☆ سیدنا طارق بن اَشْیَمْ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے نے اُن سے پوچھا: ''آپ نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاءِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، کیا وہ قنوت پڑھتے تھے؟'' اُنھوں نے فرمایا: «أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ.» (حدیث:1437) یعنی قنوت فقط خاص موقع پر پڑھی گئی تھی، اِس کا معمول بدعت ہے۔

عملِ فاروق اعظم: متعدد روایات میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے، اِسی طرح متعدد راویوں نے نقل کیا کہ آپ قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ بروایتِ امام اعظم حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے درج ذیل الفاظ منقول ہیں، جن سے روایات میں تطبیق اور حقیقی صورت حال کی وضاحت ہو جاتی ہے: «كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِذَا حَارَبَ قَنَتَ، وَإِذَا لَمْ يُحَارِبْ لَمْ يَقْنُتْ.» (حدیث:1454)

عملِ مولی المسلمین: سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نماز فجر اور مغرب میں قنوت پڑھتے تھے۔ اِس کی وضاحت کرتے ہوئے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«كَانُوا يُرَوْنَ أَنَّهُ إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ كَانَ مُحَارِبًا.» (حدیث:1459)

نیز آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نمازِ مغرب میں بھی قنوت پڑھتے تھے۔ بالاتفاق عام حالات میں مغرب میں قنوت پڑھنا ممنوع ہے؛ لہٰذا آپ کا فجر میں قنوت پڑھنا بھی حالت جنگ پر ہی محمول ہے۔

عملِ حبرِ اُمّت: ابورجاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فجر میں قنوت پڑھتے تھے۔ (حدیث:1462) جب کہ سعید بن جُبیر رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے نقل کیا کہ آپ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ (حدیث:1465)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابورجاء علیہ الرحمہ نے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں نماز ادا کی اُس وقت وہ مولی المسلمین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے، جب کہ سعید بن جُبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفًا میں آپ کے گھر پر نماز ادا کی۔ روایات کو جمع کرنے سے

یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ آپ بھی فاروق اعظم اور مولی المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح حالت جنگ میں قنوت پڑھتے تھے اور عام حالات میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

نوٹ: فاروق اعظم، مولی المسلمین اور حبرِ اُمت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک آیت کریمہ سے قنوت کا معمول منسوخ ہو گیا، البتہ حالت جنگ میں اُس کی مشروعیت باقی ہے۔

دیگر صحابہ کا معمول:

حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«كَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَا يَقْنُتُ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلَوٰتِ إِلَّا الْوِتْرَ. فَإِنَّهُ كَانَ يَقْنُتُ قَبْلَ الرَّكْعَةِ.» (حدیث:1469)

نیز سیدنا ابو درداء، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔(حدیث:1472 تا1475)

نوٹ: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں بیشتر اوقات کفار سے جہاد جاری رہا، اِس کے باوجود سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ اِسی طرح سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قنوت کا انکار کیا، اور سیدنا ابن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے دورِ خلافت میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ اُن کا دور بھی حالت جنگ میں ہی گزرا۔ معلوم ہوا اِن حضرات کے نزدیک آیت کریمہ مطلقاً قنوت کے لیے ناسخ ہے اور حالت جنگ میں بھی قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔

نظر طحاوی: بالاتفاق نماز ظہر اور عصر میں قنوت مطلقاً مشروع نہیں، خواہ عام حالات ہوں یا جنگ کے، اور بالاتفاق وتر میں تمام حالات میں قنوت پڑھی جائے گی، اِس میں بھی حالات کا کوئی اثر نہیں۔ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ فجر میں بھی قنوت مطلقاً ممنوع ہو اور اس میں حالات کا کوئی اثر نہ ہو۔

اِثباتِ قنوت والی روایات کے جوابات: جن صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نمازِ فجر میں قنوت پڑھنا ذکر کیا اُن کی روایات میں غور سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی قنوت منسوخ ہو چکی۔ مثلاً

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھنا روایت کیا۔(حدیث:1411) پھر آپ سے اِس کا منسوخ ہونا بھی مروی ہے، جیسا کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے دلائل کے تحت مذکور ہوا۔

اِسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فجر میں قنوت پڑھنا نقل کیا اور یہ بھی روایت کیا کہ آیت کریمہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اِسے منسوخ فرما دیا۔(حدیث:1407) یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یہ کہ فجر میں خود قنوت نہیں پڑھتے تھے، بلکہ قنوت پڑھنے پر انکار فرماتے تھے۔(حدیث:1434)

یوں ہی سیدنا عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قنوت پڑھنا روایت کیا اور ذکر کیا کہ آیت کریمہ کے ذریعے قنوت منسوخ ہو گئی۔ مزید فرماتے ہیں:

"فَمَا دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِدُعَاءٍ عَلٰی أَحَدٍ "(حدیث:1408)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ آپ ﷺ وصال پاک تک فجر میں قنوت پڑھتے تھے، مگر اُن کی روایات مضطرب ہیں۔ کسی میں ہے صرف تیس دن قنوت پڑھی، کسی میں ہے بیس دن پڑھی، ایک روایت میں مغرب میں قنوت پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔ جب آپ کی روایات مضطرب ہیں تو اُن سے استدلال درست نہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قنوت پڑھنا روایت کیا اور اُن سے منقول ہے کہ وہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی قنوت پڑھتے تھے۔(حدیث:1436) اِس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قنوت منسوخ ہونے کا علم نہ ہوا ہو۔ نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عشا میں قنوت پڑھنا بھی روایت کیا۔(حدیث:1404) بالاتفاق عشا میں قنوت منسوخ ہو چکی ہے تو فجر میں بھی منسوخ ہے۔

باب ما يبدأ بوضعه في السجود اليدين أو الركبتين

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے یا ہاتھ۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے زمین پر رکھنا مستحب ہے۔(الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ حضرت نافع علیہ الرحمہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے کہتے ہیں:

«أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَجَدَ بَدَأَ بِوَضْعِ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ، وَكَانَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ ذٰلِكَ.» (حدیث1476)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ شافع گناہ گاراں ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكُ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ، وَلٰكِنْ يَضَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ رُكْبَتَيْهِ.» (حدیث:1478)

اشکال: درج بالا روایت کے دونوں جملوں میں تعارض ہے۔ اولاً آپ ﷺ نے فرمایا: "اُونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔" اُونٹ بیٹھتے ہوئے ہاتھ پہلے زمین پر رکھتا ہے تو اِس جملہ کا مفہوم ہوا نمازی ہاتھ پہلے زمین پر نہ رکھے۔ ازاں بعد فرمایا: "ہاتھ پہلے رکھے۔" یوں حدیث کے اول و آخر میں تعارض ہے۔

جواب: جانوروں کے چار گھٹنے ہوتے ہیں، دو ہاتھوں میں اور دو پاؤں میں، جب کہ انسانوں کے دو گھٹنے ہوتے ہیں۔ حدیث کا مفہوم ہے: "تم سجدہ میں جاتے وقت اُونٹ کی طرح گھٹنے والے اعضا (ٹانگیں) پہلے نہ رکھو، بلکہ وہ اعضا (ہاتھ) پہلے رکھو جن میں گھٹنے نہیں ہیں۔"

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سجدہ میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے گھٹنے، پھر ہاتھ، پھر ناک، اور پھر پیشانی رکھنا سنت ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِرُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ، وَلَا يَبْرُكْ بُرُوكَ الْفَحْلِ.»

(حدیث:1480)

☆ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَجَدَ بَدَأَ بِوَضْعِ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ.» (حدیث:1481)

☆ امیر المؤمنین سیدنا عمر اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنے پہلے زمین پر رکھتے تھے۔(حدیث:1490، 1491)

وجہ ترجیح: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، جب کہ سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت تعارض سے محفوظ ہے؛ لہٰذا یہ راجح ہے۔

نظر طحاوی: نمازی کو سات اعضا یعنی چہرے، ہاتھوں، گھٹنوں اور پاؤں پر سجدہ کرنے کا حکم ہے۔ بالاتفاق اِن میں سے سر کو سب سے آخر میں زمین پر رکھنا اور سب سے پہلے اُٹھانا سنت ہے۔ معلوم ہوا کہ اعضا کو اُٹھانے کی ترتیب رکھنے کے برعکس ہے۔ جب بالاتفاق سجدہ سے اُٹھتے ہوئے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اُٹھانا سنت ہے تو نظر کا تقاضا ہے کہ رکھنے کا حکم اِس کے برعکس ہو اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنا سنت ہو۔

باب وضع اليدين فى السجود أين ينبغي أن يكون

سجدہ میں ہاتھ رکھنے کے مسنون مقام سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سجدہ میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھنا سنت ہے۔

دلیل: سیدنا ابو حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ، وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.» (حدیث:1493)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سجدہ میں افضل یہ ہے کہ سر دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔ (بہار شریعت، ج:1، ص:505) امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ.» (حدیث:1496)

☆ ابو اسحاق علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ سجدہ میں چہرۂ اقدس کہاں رکھتے تھے؟ اُنھوں نے فرمایا: «بَيْنَ كَفَّيْهِ» ”دونوں ہاتھوں کے درمیان۔“ (حدیث:1497)

وجہ ترجیح: جو حضرات تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک رفع یدین کے قائل ہیں وہ سجدہ میں بھی ہاتھ کندھوں کے برابر رکھنے کو سنت قرار دیتے ہیں اور جو تحریمہ کے وقت کانوں تک اُٹھانے کے قائل ہیں وہ سجدہ میں بھی سر کو ہاتھوں کے درمیان رکھنا افضل قرار دیتے ہیں۔ **باب رفع اليدين فى افتتاح الصلاة إلى أين يُبلغ بهما** میں قول ثانی کی ترجیح ثابت ہو چکی؛ لہٰذا اِس مسئلہ میں بھی وہ راجح ہے۔

باب صفة الجلوس فی الصلاة کیف ھو

تشہد کے لیے بیٹھنے کے مسنون طریقے کے بارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز میں بیٹھنے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ نمازی دایاں پاؤں کھڑا کرے، بایاں زمین پر بچھائے اور بائیں سُرین پر بیٹھے۔ یعنی اُن کے نزدیک تمام جلسات میں "تَوَرُّک" مستحب ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں دایاں پاؤں کھڑا کرتے، بایاں بچھا لیتے اور بائیں سُرین پر بیٹھتے۔(حدیث:1498) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِسے سنت قرار دیا۔(حدیث:1499)

دوسرا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخری قعدہ کے علاوہ جلسات میں بایاں پاؤں بچھا کر اُس پر بیٹھنا اور آخری قعدہ میں بائیں سُرین پر بیٹھنا سنت ہے۔ یعنی آخری قعدہ کے علاوہ جلسات میں "اِفْتِراش" اور آخری قعدہ میں "تَوَرُّک" سنت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار یا تین رکعات والی نماز کے آخری قعدہ میں "تَوَرُّک" سنت ہے، باقی سب جلسات میں "اِفْتِراش" سنت ہے۔(ملخص از الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلیل: سیدنا ابو حُمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں اُن کی تصدیق کے ساتھ شاہِ عرب و عجم ﷺ کے بیٹھنے کا طریقہ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

«كَانَ فِي الْجِلْسَةِ الْأُولَى يَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَى، فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا، حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِي يَكُونُ فِي آخِرِهَا التَّسْلِيمُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى، وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ.»

(حدیث:1500)

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد کے لیے نماز میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر سرین اُس پر رکھے، دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور اُس کی انگلیاں قبلہ رُخ کرے۔

(بہار شریعت، ج:1، ص:530)

دلیل: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔ وہ فرماتے ہیں:

«فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا...» (حدیث:1503)

نوٹ: سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے قعدۂ اخیرہ پر استدلال یوں کیا جائے گا کہ اُنھوں نے پہلے یا دوسرے قعدہ کی تفریق نہیں کی، معلوم ہوا اُنھوں نے آپ ﷺ کو دونوں قعدوں میں ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِس حدیث میں: "ثُمَّ جَعَلَ يَدْعُو بِالْأُخْرٰى" (پھر آپ ﷺ تشہد والی اُنگلی کے ساتھ دعا کرنے لگے) کے الفاظ اِس بات پر دلیل ہیں کہ قعدۂ اخیرہ مراد ہے، کیونکہ دعا آخری قعدہ میں ہی ہوتی ہے۔ شارحین نے لکھا کہ اگر حدیث پاک میں "یدعو" "یُشیر" کے معنی میں ہو تو آخری قعدہ ہونے پر یہ استدلال تام نہیں۔

وجہ ترجیح: سیدنا ابو حُمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محمد بن عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قعدوں کا حکم الگ الگ بیان کیا ہے، یہ سند منقطع ہے اور محذوف راوی معلوم نہیں۔ (حدیث:1505) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سندِ متصل کے ساتھ جو روایت منقول ہے اُس میں دونوں قعدوں کی تفصیل نہیں۔ (حدیث:1506) نیز حضرت ابو حُمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل سند کے ساتھ مرفوعاً افتراش منقول ہے۔ (حدیث:1509)

اول الذکر روایت کے منقطع ہونے پر دو دلائل ہیں:

1) عطّاف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُسے "عن رجل" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے۔ (حدیث:1505)

2) محمد بن عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیدنا ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ممکن ہی نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اُس مجلس میں سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولی

المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی معیت میں شہید ہوئے، جب کہ محمد بن عمرو رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات 125ھ میں 83 سال کی عمر میں ہوئی۔

سوال: عطّاف رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوحمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں سنا۔ چونکہ عطاف رحمہ اللہ تعالیٰ قوی راوی نہیں؛ لہٰذا اُن کی وجہ سے اِس حدیث کو منقطع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جوابات: اِس اعتراض کے دو جوابات ہیں:

1) متصل روایت کرنے والے عبد الحمید علیہ الرحمہ عطاف علیہ الرحمہ سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

2) عطاف علیہ الرحمہ کا آخر عمر میں حافظہ مضبوط نہیں تھا، اُن کی قدیم روایات مقبول ہیں۔

نظر طحاوی: احناف وشوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے کہ پہلے قعدہ اور جلسہ میں "تَوَرُّک" مسنون ہے۔ آخری قعدہ یا تو فرض ہے یا سنت، بصورت اول قعدہ اُولیٰ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ "اِفْتِراش" مسنون ہو، اور بصورت ثانی جلسہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ "اِفْتِراش" مسنون ہو۔

روایتِ سیدنا ابن عمر: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''تورّک''کو سنت قرار دیا۔ اِس کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) ضروری نہیں کہ اُن کی لفظِ ''سنت'' سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت مراد ہو، ممکن ہے کہ یہ اُن کا اپنا اجتہاد ہو یا دیگر صحابہ علیہم الرضوان کی سنت مراد ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ بَعْدِي.» اِسی طرح سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے عورت کی اُنگلیوں کی دیت کا مسئلہ اخذ کیا اور فرمایا: «إِنَّهَا السُّنَّةُ يَا ابْنَ أَخِي.»

2) نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چارزانو بیٹھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے صاحبزادے کو اپنا عذر بیان کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِي.» (حدیث:1499) اِس جملے میں دونوں پاؤں کا ذکر ہے۔ یعنی اگر میرے پاؤں بوجھ اُٹھاتے تو میں دونوں کو استعمال کرتا، (ایک کو کھڑا کرتا اور دوسرے پر بیٹھتا)۔ یہ مفہوم ''تورّک'' کی سنیت کے خلاف ہے۔

3) دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ جس طرح آپ کا چارزانو بیٹھنا عذر کی وجہ سے تھا، اِسی طرح ''تورّک'' بھی عذر پر محمول ہے۔

تشہد میں اُنگلی کا اشارہ

حدیث:1503 میں اُنگلی سے اِشارہ کا ذکر ہے۔ غیر مقلدین حسبِ معمول اُنگلی سے اِشارہ کے بارے بھی غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں، لہٰذا درج ذیل سطور میں ائمہ کے مواقف اور اُن کے دلائل تحریر کیے جاتے ہیں۔

فضیلت: تشہد میں اُنگلی سے اِشارے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شہریارِ ارم ﷺ نے فرمایا:

«لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ.» (مسند احمد:6000)

''یہ (انگشتِ شہادت سے اشارہ) شیطان پر تلوار سے زیادہ سخت ہے۔''

أئمہ ثلاثہ کا موقف: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی "إِلَّا اللّٰہ" کہتے وقت انگشتِ شہادت اُٹھائے گا اور بغیر حرکت دیے آخر تک اُٹھائے رکھے گا۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد اور دُعا دونوں میں صرف اسم جلالت پڑھتے وقت انگلی اُٹھائے گا اور حرکت نہیں دے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے تشہد میں اُنگلی کو اُٹھائے رکھنا اور دائیں بائیں حرکت دینا مندوب ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلیل: سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ، فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَوَضَعَ ذِرَاعَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ يَدْعُو بِهَا.» (سنن نسائی:1264) وفی طریق آخر: «فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُو بِهَا.» (سنن نسائی:1268)

امام شافعی علیہ الرحمہ استدلال کرتے ہیں کہ اِس حدیث پاک میں دُعا کے وقت اِشارہ کا ذکر ہے، دُعا آخر تک جاری رہتی ہے؛ لہٰذا اِشارہ بھی آخر تک جاری رہے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دوسری سند میں حرکت دینے کا بھی ذکر ہے؛ لہٰذا پورے تشہد میں اُنگلی کو حرکت دینا مندوب ہے۔

احناف کا موقف: احناف رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد میں اُنگلی سے اِشارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی چھنگلیا اور اُس کے ساتھ والی اُنگلی کو بند کرلے، انگوٹھے اور درمیان والی اُنگلی سے حلقہ بنائے، "لَا" پر شہادت والی اُنگلی اُٹھائے اور "اِلَّا" پر رکھ دے اور سب اُنگلیاں سیدھی کرلے۔

(ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:530)

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا.» (ابوداؤد:989) وفی روایة البیهقی: « أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ إِذَا دَعَا لَا يُحَرِّكُهَا.» (سنن کبریٰ:2786)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دُعا کرتے (کلمۂ شہادت ادا کرتے) تو اُنگلی سے اشارہ کرتے اور حرکت نہ دیتے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے بارے فرمایا: رواہ أبو داود بإسناد صحيح. (المجموع)

☆ حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے نقل کیا:

«أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَيُشِيرُ بِأُصْبُعِهِ وَلا يُحَرِّكُهَا.» (الثقات لابن حبان: 10863)

☆ اِشارہ کا مقصد وحدانیت کی گواہی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص دونوں اُنگلیوں سے اِشارہ کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَحِّدْ أَحِّدْ» (توحید کر، توحید کر) یعنی ایک اُنگلی سے اِشارہ کر۔ (ترمذی:3557)

لہٰذا اِشارہ فقط شہادت کے وقت ہوگا۔ نیز گواہی حرکت دینے کا تقاضا نہیں کرتی۔

جوابات: سیدنا وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) حدیث پاک میں "يَدْعُو" (دعا) سے "يَتَشَهَّد" (شہادت و تہلیل) مراد ہے۔ یعنی آپ ﷺ اُنگلی کے ذریعے "لا الٰہ الا اللہ" کی گواہی دیتے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں "شہادت" کو "دُعا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: يدعو بها أي يُهلِّل. سمّى التهليل والتحميد دعاءً لأنهُ بمنزلة استجلاب لطفِ الله، واستدعاء صنعه. وقد جاء في الحديث: إنما كان أكثر دعائي ودعاء الأنبياء قبلي بعرفات: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو علي كل شيء قدير. (شرح طیبی علی المشکوۃ)

2) سیدنا وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "يُحَرِّكُهَا" کا اِضافہ شاذ ہے، جسے فقط حضرت زائدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ امام ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اپنی صحیح میں لکھا: لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَخْبَارِ "يُحَرِّكُهَا" إِلَّا فِي هَذَا الْخَبَرِ، زَائِدَةُ ذَكَرَهُ.

3) "يُحَرِّكُهَا" سے اُنگلی اُٹھانا مراد ہے۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے لکھا: وَيُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ مَعْنٰى "يُحَرِّكُهَا" "يَرْفَعُهَا"، إِذْ لَا يُمْكِنُ رَفْعُهَا بِدُونِ تَحْرِيكِهَا. (مرقاۃ المفاتیح)

باب التشہّد فی الصلاۃ کیف ھو

تشہد کے مسنون الفاظ سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد پڑھنا سنت ہے اور اُس میں سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روایت کردہ الفاظ پڑھنا مستحب ہے۔

دلائل: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر درج ذیل تشہد تعلیم فرمایا:

«التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ.» (حدیث:1511)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اِس سے ملتے جلتے الفاظ نقل کیے۔(حدیث:1513و1516)

وجہ ترجیح: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تشہد منبر پر تشریف فرما ہو کر بیان کیا اور کسی نے بھی اِس کا انکار نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اِس سے متفق تھے۔

دوسرا قول: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد فرض ہے اور اس میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نقل کردہ کلمات پڑھنا افضل ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے درج ذیل کلمات نقل کیے:

«التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ، الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ.» (حدیث:1529)

وجہ ترجیح: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تشہد میں ایک لفظ "المبارکات" کا اِضافہ ہے، جو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تشہد میں نہیں ہے؛ لہٰذا تشہدِ ابن عباس اولیٰ ہے۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر قعدہ میں پورا تشہد پڑھنا واجب ہے اور اُس میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقل کردہ کلمات پڑھنا مستحب ہے۔ اِمام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد فرض ہے اور اُس میں یہی کلمات افضل ہیں۔ (بہار شریعت، ج:1، ص:518، الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُنھیں تشہد کے درج ذیل کلمات تعلیم فرمائے:

«التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.» (حدیث:1517)

اِسی طرح کے کلمات سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا ابو سعید خُدری، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی مرفوعاً نقل کیے۔

وجوہ ترجیح: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا تشہد متعدد وُجوہ سے راجح ہے:

1) سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ تشہد بہت اہتمام کے ساتھ تعلیم فرمایا۔ (حدیث:1523)

2) یہ کلمات متعدد صحابہ علیہم الرضوان نے مرفوعاً نقل کیے ہیں، جب کہ دیگر اِضافہ جات میں تعدّدِ رُواۃ نہیں ہے۔

3) اِس کی اسانید قوی ہیں۔

4) بالاتفاق تشہد کے الفاظ میں نمازی کو اپنی طرف سے کمی بیشی کی اجازت نہیں، ماثور الفاظ ہی پڑھنے کا حکم ہے۔ تشہدِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ پر راویوں کا اتفاق ہے، جب کہ دیگر الفاظ مختلف فیہ ہیں؛ لہٰذا متفق علیہ مختلف فیہ الفاظ پر راجح ہے۔

5) صاحب ہدایہ علامہ مَرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ تشہدِ ابن مسعود میں "واؤ" ہے، جو تجدیدِ کلام کے لیے ہے۔ یعنی اِس تشہد میں ہر کلام مستقل حمد و ثنا ہے، جب کہ دیگر تشہدات کا مجموعہ ایک ہی ثنا ہے۔

وجوہ ترجیح کے جوابات: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے تشہدِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ ترجیح بیان کی کہ کسی صحابی نے اُس کا انکار نہیں کیا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تشہدِ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف الفاظ نقل کیے ہیں اور اُنھیں مرفوعاً بیان کیا ہے۔

امام شافعی نے تشہدِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وجہ ترجیح بیان کی کہ اُس میں اِضافہ ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ تشہدِ ابن عباس کے راوی تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے رواۃ کے مساوی نہیں۔ اگر ہر اضافہ راجح ہو تو دیگر روایات میں تشہدِ ابن عباس سے بھی زائد الفاظ منقول ہیں۔

باب السلام فی الصلاۃ کیف ھو

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نماز کے اختتام پر کتنی بار سلام کہنا چاہیے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام اور منفرد نماز سے خارج ہونے کے لیے ایک ہی سلام (سلام تحلیل) کہیں گے، اِس کا آغاز قبلہ رُخ کریں گے اور دائیں جانب پہنچنے تک اختتام کر دیں گے۔ جب کہ مقتدی کے لیے دائیں جانب رُخ کر کے سلام تحلیل کہنا مندوب ہے۔ قبلہ رُخ ہو کر امام کو سلام کہنا سنت ہے۔ اِسی طرح بائیں جانب رُخ کر کے جماعت کے دیگر شرکا کو سلام کہنا سنت ہے۔

نیز اُن کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ صرف "السلام علیکم" کہا جائے، "ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ" کا اِضافہ خلاف اولیٰ ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ)

دلائل: ☆ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً. السَّلَامُ عَلَيْكُمْ.»

(حدیث:1545)

نوٹ: یہ حدیث سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُن کے صاحبزادے حضرت عامر نے، اُن سے اسماعیل نے، اُن سے مصعب بن ثابت نے، اُن سے عبد العزیز بن محمد دراوردی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہے۔

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُسَلِّمُ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً.» (حدیث:1576)

☆ حضرت عمرو بن مُرّہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو وائل رحمہ اللہ تعالیٰ سے سلام کے بارے پوچھا، اُنھوں نے فرمایا: "ایک مرتبہ۔" (حدیث:1589)

حضرت ابووائل، مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اتباع کرتے تھے اور اُن سے سیکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا بھی یہی موقف تھا۔

☆ حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ سلام کہتے تھے۔(رقم:1590 تا1592)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کے لیے پہلے دائیں پھر بائیں دوبار "السلام علیکم ورحمة اللّٰہ " کہنا سنت ہے۔(لفظ "اَلسَّلَامُ" دو بار کہنا واجب ہے)شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نمازی دوبار سلام کہے گا۔

دلائل: آپ ﷺ اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف اسانید کے ساتھ نماز کے آخر میں دومرتبہ سلام کہنا منقول ہے۔سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُسَلِّمُونَ عَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ فِي الصَّلَاةِ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ".»

(حدیث:1555)

اِسی طرح سیدنا ابوموسی اشعری، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا براء بن عازب، سیدنا وائل بن حُجر، سیدنا عدی بن عَمیرہ، سیدنا ابومالک اشعری، سیدنا طلق بن علی، سیدنا اوس بن ابی اوس اور سیدنا ابورِیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے دوبار سلام کہنا نقل کیا ہے۔

(حدیث:1550 تا1575)

نیز حضراتِ شیخین، سیدنا علی، سیدنا ابن مسعود، سیدنا عمار، سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ وہ نماز کے آخر میں دومرتبہ سلام کہتے تھے۔(حدیث:1577 تا1588)

تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب اور ابن ابی لیلیٰ رحمہا اللہ تعالیٰ سے دو مرتبہ سلام کہنا منقول ہے۔(حدیث:1593و1594)

جوابات: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل کے جوابات درج ذیل ہیں:

روایتِ سیدنا سعد: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث مختلف اسانید کے ساتھ منقول ہے۔ حضرت عبد العزیز دراوردی نے حضرت مصعب سے اور اُنھوں نے حضرت اسماعیل سے اپنی سند کے ساتھ ایک بار سلام کہنا نقل کیا ہے، جب کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک اور حضرت محمد بن عمرو نے حضرت مصعب سے اپنی سند کے ساتھ دوبار سلام کہنا نقل کیا ہے۔(حدیث:1547،1546) نیز یہی حدیث حضرت مصعب کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن جعفر نے بھی حضرت اسماعیل سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، اور اس میں بھی دو مرتبہ سلام کہنے کا ذکر ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایتِ اُمّ المؤمنین: حفاظِ حدیث نے یہ حدیث اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے موقوفاً روایت کی ہے۔ اِسے مرفوعاً فقط حضرت عمرو بن ابی سلمہ نے حضرت زہیر بن محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے۔ محدثین کی تصریح ہے کہ عمرو کی زُہیر رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت قابل استدلال نہیں، اِس میں تخلیط ہے۔

روایتِ عمرو بن مُرّہ: عمرو بن مُرّہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو وائل رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو ایک مرتبہ سلام کہنا نقل کیا ہے وہ نماز جنازہ پر محمول ہے۔

باب السلام فی الصلاۃ هل هو من فروضها أو من سننها

نماز کے آخر میں سلام کی فرضیّت کے بارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سلام نماز کے فرائض سے ہے۔ اُن کے مذاہب کی تفصیل درج ذیل ہے:

اِمام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مرتبہ سلام کہنا فرض ہے اور اتنی مقدار قعدۂ اخیرہ بھی فرض ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد، دورِدِ پاک اور ایک مرتبہ سلام کہنا فرض ہے، نیز اتنی مقدار قعدۂ اخیرہ بھی فرض ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تشہد اور دو مرتبہ سلام کہنا اور اِسی قدر آخری قعدہ کرنا فرض ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلیل: مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ رحمتِ عالم ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

«مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَإِحْرَامُهَا التَّكْبِيرُ، وَإِحْلَالُهَا التَّسْلِيمُ.» (حدیث:1595)

آپ ﷺ نے تکبیر کو احرام و تحریم (نماز کے غیر متعلقہ اُمور کو حرام کرنے والی) قرار دیا، اِس کے بغیر نماز شروع نہیں ہوتی۔ اِسی طرح سلام کو تحلیل قرار دیا، اِس کے بغیر نماز سے خروج نہیں ہو سکتا۔

دوسرا قول: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ اور سلام دونوں نماز کے فرائض سے نہیں۔ نماز کا آخری فرض سجدہ ہے۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "شرح معانی الآثار" میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ اور تشہد سنت ہیں، بعد میں اُنھوں نے اِس سے رجوع کر لیا۔ "مختصر الطحاوی" میں اُنھوں نے لکھا: **والقيام، والقراءة في ركعتين، والركوع، والسجود، والقعود مقدار التشهد الذي يتلوه السلام، فمن ترك شيئًا من هذه الستّ أعاد الصلاة.** (مختصر الطحاوی، باب أقل ما يجزئ من أعمال الصلاة)

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ السُّجُودِ فَقَدْ مَضَتْ صَلَاتُهُ إِذَا هُوَ أَحْدَثَ.» (حدیث:1597)

نظر طحاوی: قیام، رکوع، سجود اور اُن کے اذکار کا تمام نماز میں یکساں حکم ہے، جو ایک مقام پر فرض ہے وہ دیگر مقامات پر بھی فرض ہے اور جو ایک مقام پر سنت ہے وہ دیگر مقامات پر بھی سنت ہے۔

نماز کے آخر میں تشہد کے لیے بیٹھنے اور اُس میں تشہد پڑھنے کا حکم ہے، اِسی طرح دو سے زائد رکعات والی نماز میں دو رکعات کے بعد تشہد کے لیے بیٹھنے اور اُس میں تشہد پڑھنے کا حکم ہے۔ جب پہلا قعدہ اور اُس میں تشہد فرض نہیں، بلکہ سنت ہیں، تو نظر کا تقاضا ہے کہ آخری قعدہ اور تشہد بھی فرض نہ ہو۔

اشکال: اگر کوئی شخص دو رکعات کے بعد بیٹھنا بھول جائے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے تو اُسے حکم ہے کہ نماز جاری رکھے، اب قعدہ کی طرف لوٹنا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ جو شخص قعدۂ اخیرہ بھول جائے اُسے کھڑے ہونے کے بعد بھی واپس لوٹنے کا حکم ہے۔ وجہ یہی ہے کہ پہلا قعدہ فرض نہیں، جب کہ آخری قعدہ فرض ہے۔ جیسا کہ کوئی دوسرا فرض باقی ہو تو اضافی رکعت کے لیے کھڑے ہونے کے بعد واپس لوٹنے کا حکم ہے۔

جواب: جو شخص پہلا قعدہ کیے بغیر سیدھا کھڑا ہو گیا وہ سنت چھوڑ کر فرض کی طرف منتقل ہو گیا؛ لہٰذا اُسے حکم ہے کہ فرض کو جاری رکھے اور سنت کی طرف نہ لوٹے۔ جب کہ قعدۂ اخیرہ کیے بغیر کھڑا ہونے والا سنت کو چھوڑ کر ایسے امر کی طرف منتقل ہوا ہے جو نہ فرض ہے نہ سنت ہے، اِسے حکم ہے کہ قعدہ کی طرف لوٹے جو کہ سنت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹنے کا حکم اِس لیے نہیں کہ وہ فرض ہے، بلکہ اِس لیے ہے کہ اِس سے بعد والا قیام نہ فرض ہے، نہ سنت۔ جیسا کہ قعدۂ اُولیٰ کے بعد اگر سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو واپس لوٹنے کا حکم ہے، کیونکہ وہ ابھی تک سنت کو چھوڑ کر ایسے امر میں ہے جو نہ فرض ہے نہ سنت۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ اور خروج بصنعہٖ نماز کے ارکان و فرائض سے ہیں، جب کہ تشہد پڑھنا اور دو مرتبہ ''السلام'' کہنا واجب ہے۔ سنت یہ ہے کہ دو مرتبہ «السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ» کہے، پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف۔

دلائل: ☆ مشہور حدیث ہے کہ ایک اعرابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تخفیف کے ساتھ نماز ادا کی، مختارِ کل ﷺ نے اُسے فرمایا: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ.» ازاں بعد اُس کی درخواست پر آپ ﷺ نے اُسے نماز کے فرائض وواجبات تعلیم فرمائے۔ (متفق علیہ) اِس حدیث میں سلام اور تشہد کا ذکر نہیں، اگر یہ فرائض سے ہوتے تو آپ ﷺ اُسے یہ بھی تعلیم فرماتے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اُنھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کا ہاتھ تھام کر تشہد سکھایا اور فرمایا:

«فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ، أَوْ قَضَيْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ.» (حدیث: 1601)

نیز سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«التَّشَهُّدُ انْقِضَاءُ الصَّلَاةِ، وَالتَّسْلِيمُ إِذْنٌ بِانْقِضَائِهَا.» (حدیث: 1604)

''تشہد کی مقدار بیٹھنا نماز کی تمامیت ہے اور سلام نماز کی تمامیت کا اِعلان ہے۔''

(ترجمہ ماخوذ از نخب الافکار)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے نمازِ ظہر کی پانچ رکعات پڑھائیں، جب آپ ﷺ کی خدمت میں اِس بارے عرض کی گئی تو آپ نے سجدۂ سہو کیا۔

(حدیث: 1605)

سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز ادا کرے اور اُسے معلوم نہ ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار، تو وہ یقین پر بنا کرے اور شک کو چھوڑ دے۔ مزید فرمایا: «فَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ نَقَصَتْ فَقَدْ أَتَمَّهَا، وَكَانَتِ السَّجْدَتَانِ تُرْغِمَانِ الشَّيْطَانَ، وَإِنْ كَانَتْ صَلَاتُهُ تَامَّةً كَانَ مَا زَادَ وَالسَّجْدَتَانِ لَهُ نَافِلَةً.»

(رواہ الطحاوی مسندًا فی باب الرجل یشکّ فی صلاتہ، حدیث: 2448)

پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سہواً پانچویں رکعت ساتھ ملائی اور مؤخر الذکر کے مطابق میں شک کی صورت میں اقلّ پر بنا کا حکم فرمایا، اگر نماز پہلے سے مکمل ہو چکی تھی تو یہ رکعت نفل ہوئی۔ دونوں احادیث میں سلام کے بغیر فرض سے نفل کی طرف جانے کا ذکر ہے۔ اگر سلام فرض ہوتا تو اُس کے بغیر نفل کی طرف جانے سے نماز باطل ہو جاتی، جیسا کہ کوئی دوسرا فرض باقی ہو اور نمازی مزید ایک رکعت پڑھ لے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

☆ خواجہ حسن بصری اور حضرت عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (رقم: 1606، 1607)

وجہ ترجیح: مولی المسلمین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے اُن کی روایت کے برعکس بھی مروی ہے، اِسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں اختلاف ہے، جب کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اختلاف نہیں ہے؛ لہٰذا روایتِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راجح ہے۔

روایتِ مولی المسلمین کا جواب: سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے باب کے شروع میں روایت منقول ہوئی، جس سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے سلام فرض ہونے پر استدلال کیا۔ اُس کا جواب یہ ہے آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا: «إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ.» (حدیث: 1596)

معلوم ہوا آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے نزدیک «وَإِحْلَالُهَا التَّسْلِيمُ» سے مراد ہے: "مناسب احلال و تحلیل (نماز سے خارج ہونے کے لیے موزوں لفظ) سلام ہے۔"

سوال: جب اِرشادِ مبارک «إِحْرَامُهَا التَّكْبِيرُ» سے مراد فرض تحریم ہے (تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز شروع نہیں ہوتی) تو «وَإِحْلَالُهَا التَّسْلِيمُ» سے مراد بھی فرض تحلیل ہے (سلام کے بغیر نماز سے خروج نہیں ہو سکتا)۔ دونوں میں فرق کرنا کیسے درست ہے؟

جواب: احکام میں دخول اُسی طریقہ پر ہوتا ہے جو شریعت نے تعلیم فرمایا ہے، جب کہ احکام سے خروج شریعت کے تعلیم کردہ طریقہ پر ہو جاتا ہے اور دوسرے طریقہ پر بھی۔ مثلا دورانِ عدت عورت سے نکاح کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اگر کوئی شخص عدت میں نکاح کرے تو وہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ یوں ہی دورانِ حیض عورت کو طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص بیوی کو حیض میں طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگرچہ شوہر گناہ گار ہوگا۔

روایتِ سیدنا ابن عمرو: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نمازی کو قعدۂ اخیرہ کے بعد حدث لاحق ہوا تو اُس کی نماز مکمل ہو گئی (تشہد فرض نہیں)۔ (حدیث:1599) جب کہ دوسری روایت میں ہے: «إِذَا رَفَعَ الْمُصَلِّي رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ صَلَاتِهِ، وَقَضَى تَشَهُّدَهُ، ثُمَّ أَحْدَثَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ، فَلَا يَعُودُ لَهَا.» (حدیث: 1600)

”جب نمازی آخری سجدہ سے سر اُٹھائے اور تشہد مکمل کر لے، پھر اُسے حدث لاحق ہو تو اُس کی نماز مکمل ہو گئی، وہ نماز کے لیے نہ لوٹے (بطورِ فرض دوبارہ نہ پڑھے، اب واجب الاعادہ ہے)۔“ اِس روایت سے معلوم ہوا کہ تشہد بھی فرض ہے۔

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مختلف الفاظ منقول ہیں تو آپ کی روایت سے قعدہ یا سلام فرض نہ ہونے پر استدلال درست نہیں۔

باب الوتر

نمازِ وتر کی فقہی حیثیت اور رکعات کی تعداد میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر سنتِ مؤکدہ ہے۔ اِس کی ایک ہی رکعت ہے، جسے ماقبل رکعات کے ساتھ ملانا مکروہ ہے۔ البتہ اِس سے پہلے کچھ نوافل پڑھنے چاہییں۔

دوسرا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر سنتِ مؤکدہ ہے، کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ کمال کا اقلّ تین رکعات ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی نمازِ وتر سنتِ مؤکدہ ہے، کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ البتہ ایک رکعت پر اقتصار خلافِ اولیٰ ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر کے دوگانہ اور آخری رکعت کے درمیان سلام پھیرا جائے گا۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر واجب ہے۔ اِس کی کم از کم تین رکعات ہیں۔ دو رکعات کے بعد قعدہ واجب ہے اور اُس میں تشہد پر اِضافہ جائز نہیں۔ نیز دو رکعات کے بعد سلام پھیرنے کی اِجازت نہیں۔

ایک رکعت ہونے پر دلائل

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مالکِ دوجہاں ﷺ سے وتر کے بارے نقل کیا:

«رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ.» (حدیث:1611)

☆ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیب جوئی کے اِرادے سے ذکر کیا کہ اُنھوں نمازِ وتر ایک رکعت پڑھی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

«أَصَابَ مُعَاوِيَةُ» معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصیب ہیں۔(درستگی پر ہیں)(حدیث:1676)

☆ سیدنا عثمان غنی، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو درداء، سیدنا فضالہ اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے منقول ہے کہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔(دیکھیے حدیث:1708 تا1714)

دو سلاموں کے ساتھ تین رکعات ہونے پر دلائل

امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا استدلال درج ذیل ہے:

☆ حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بنَ عمر كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ، حَتّٰى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ.» (حدیث:1625)

نیز سیدنا عثمان غنی، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابو درداء، سیدنا فضالہ، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاذ بن حارث قاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے منقول روایات کا خلاصہ و مآل یہ ہے کہ وہ دو سلاموں کے ساتھ تین رکعات پڑھتے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد کا بھی یہی معمول تھا۔(دیکھیے حدیث:1708 تا1714)

تین سے زائد رکعات پر استدلال

امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعات ہیں۔ اِستدلال یہ ہے کہ روایات میں ہے: ”آپ ﷺ نو(9) رکعات وتر پڑھتے۔“ اِسی طرح پانچ، سات اور گیارہ رکعات وتر کا بھی ذکر ہے۔

ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہونے پر دلائل

☆ سعد بن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا:

«كَانَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ لَا يُسَلِّمُ فِي رَكْعَتَيِ الْوِتْرِ.» (حدیث:1630)

☆ حضرت مِسور بن مَخرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین رات کے وقت ہوئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے وتر نہیں پڑھے۔ مِسور کہتے ہیں:

«فَقَامَ وَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ، فَصَلَّى بِنَا ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ.» (حدیث:1700)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«الْوِتْرُ ثَلَاثٌ، كَوِتْرِ النَّهَارِ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ.» (حدیث:1702)

☆ حضرت ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنھیں تین رکعات نمازِ وتر پڑھائی۔ ثابت کہتے ہیں:

«لَمْ يُسَلِّمْ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ، ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُعَلِّمَنِي.» (حدیث:1705)

☆ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«عَلَّمَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ -أَوْ عَلَّمُونَا- أَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، غَيْرَ أَنَّا نَقْرَأُ فِي الثَّالِثَةِ، فَهٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ، وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ.» (حدیث:1701)

☆ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رمضان میں وتر کی اِمامت کراتے تو دوگانہ کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں:

«فَأَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لَمْ يُسَلِّمْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهُنَّ.» (رقم:1707)

☆ حضرت ابوزِناد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہائے مدینہ، ساداتنا سعید بن مسیب، عروہ بن زُبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبد الرحمٰن اور دیگر صالحین فضلا رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کیا کہ وتر تین رکعات ہیں اور آخری رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔(رقم:1716) نیز ابوزِناد کہتے ہیں:

«أَثْبَتَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْوِتْرَ بِالْمَدِينَةِ بِقَوْلِ الْفُقَهَاءِ ثَلَاثًا. لَا يُسَلَّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ.» (رقم:1715)

وجہ ترجیح: محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہونا نقلاً اور عقلاً راجح ہے۔ نقلاً اِس طرح کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے زیادہ جانتی تھیں، اِسی طرح سیدنا انس اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما خادم خاص ہونے کی حیثیت سے رات کی نماز کے بارے دیگر مَردوں سے زیادہ جانتے تھے؛ لہٰذا اِن کی روایات دیگر پر راجح ہیں۔

عقلاً اِس طرح راجح ہے کہ کسی نماز کی رکعات کے درمیان سلام سے فصل کی مثال نہ تو فرائض میں ملتی ہے نہ نوافل میں۔ نیز رکعات کے درمیان کلام کرنا گفتگو سے ممانعت والی احادیث کے بھی خلاف ہے۔

نظر طحاوی (تین رکعات ہونے پر): نمازِ وتر میں دو احتمالات ہیں کہ فرض ہے یا سنت۔ اگر فرض ہے تو فرائض تین طرح کے ہیں: 1) دو رکعتی۔ 2) تین رکعتی۔ 3) چار رکعتی۔ بالاتفاق وتر کی دو، یا چار رکعات نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ تین رکعات ہوں۔

اگر سنت ہے تو ہر سنت کی فرائض میں مثال اور اصل موجود ہوتی ہے، مثلاً: صدقہ، روزہ اور حج۔ فرض نمازوں میں طاق رکعات صرف تین ہیں، یعنی نماز مغرب۔ نظر کا تقاضا ہے مغرب کو وِتر کی اصل قرار دیا جائے اور اس کی بھی تین رکعات ہوں۔

نظرِ طحاوی (ایک سلام کے ساتھ ہونے پر): بالاتفاق سلام کے ساتھ نماز سے فراغت ہو جاتی ہے اور وِتر کے علاوہ کسی نماز کے دوران سلام پھیرنا جائز نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ وِتر کی تین رکعات کے دوران بھی سلام پھیرنا جائز نہ ہو۔

ایک رکعت ہونے پر دلائل کے جوابات

روایتِ سیدنا ابن عمر: اِرشادِ مبارک «رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ» میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال وہ ہے جو فریق مخالف نے اختیار کیا کہ ”وتر ایک ہی رکعت ہے۔“ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”وتر ایک رکعت ہے دوگانہ کے ساتھ۔ اِس آخری رکعت کے ذریعے دوگانہ وتر (طاق) ہو جائے گا۔“

دوسرے احتمال کی تائید درج ذیل اُمور سے ہوتی ہے:

1) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے صلاۃ اللیل کے بارے دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَصَلِّ رَكْعَةً تُوتِرُ لَكَ صَلَاتَكَ.» (حدیث:1612)

2) مذکور ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وتر تین رکعات ادا کرتے اور دو رکعات کے بعد سلام پھیرتے۔ (حدیث:1625)

3) عقبہ بن مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وتر کے بارے پوچھا، آپ نے فرمایا: ”کیا تم دن کے وتر جانتے ہو؟“ عقبہ نے کہا: ”جی ہاں! نماز مغرب۔“ فرمایا: ”تم نے درست کہا۔“ پھر آپ نے مالکِ کونین ﷺ کا اِرشادِ مبارک ذکر کیا: «صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ.» (حدیث:1627)

4) سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ ﷺ رات کو نماز کیسے ادا کرتے تھے؟ اُنھوں نے فرمایا: «ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً: ثَمَانٍ، وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ.» (حدیث:1628)

وترِ سیدنا معاویہ: مذکور ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نمازِ وتر ایک رکعت پڑھی اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "وہ مصیب ہیں۔" اِس استدلال کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تین رکعات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی یہی اِرشاد فرماتے تھے۔ (حدیث:1679) لہٰذا آپ کے اِرشاد کا وہ مفہوم نہیں جو فریق مخالف نے مراد لیا۔

2) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل پر شدید اِنکار مروی ہے۔ (حدیث:1677)

3) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراد تھی وہ مجتہد ہیں اور مجتہد اپنے اِجتہاد پر عمل میں مصیب ہوتا ہے۔ اُسے اِجتہادی غلطی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے۔ بخاری شریف میں اُن کے درج ذیل الفاظ منقول ہیں: "أَصَابَ ،إِنَّهُ فَقِيهٌ" وہ مصیب ہیں، کہ وہ مجتہد ہیں۔

4) سائل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنقید چاہتا تھا تو آپ نے مصلحت کے پیش نظر توریۃً فرمایا: "وہ مصیب ہیں۔" مراد تھی "وہ کئی دیگر اُمور میں مصیب ہیں۔"

5) شارحین نے لکھا کہ یہ بھی احتمال ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے دو رکعات ادا کی ہوں، مگر سائل کو معلوم نہ ہو۔ اِس صورت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا مفہوم ہے: "وہ تین رکعات پڑھنے میں مصیب ہیں۔"

عملِ صحابہ: جن صحابہ علیہم الرضوان کے بارے مذکور ہوا کہ وہ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے اُن کا موقف یہ تھا کہ وتر کے دوگانہ اور تیسری رکعت کے درمیان سلام پھیرا جائے گا، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دلائل کے تحت آل سعد و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل مذکور ہوا۔ راویوں نے اِن حضرات کو پہلی دو رکعات ادا کرتے نہیں دیکھا، اِس لیے یہ نقل کیا کہ وہ ایک رکعت وتر ادا کرتے تھے۔

دوگانہ کے بعد سلام پر دلائل کے جوابات

☆ اگرچہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتر کے دوگانہ اور تیسری رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے، مگر اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے واضح طور پر فرمایا کہ آپ ﷺ دو رکعات کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی معمول تھا؛ لہٰذا یہی راجح ہے۔

نیز سیدنا عبد اللہ بن مسعود نے سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے معمول پر اِنکار کیا۔ (حدیث:1713) یہ تبھی ممکن ہے کہ اُن کے پاس قوی دلیل موجود تھی۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معمول کا ذکر ہوا تو وہ فرمانے لگے:

«كَانَ عُمَرُ أَفْقَهَ مِنْهُ، كَانَ يَنْهَضُ فِي الثَّالِثَةِ بِالتَّكْبِيرِ.» (المستدرک علی الصحیحین)

تین رکعات سے زائد رکعات پر استدلال کا جواب

جن روایات میں وتر کی تین سے زائد رکعات کا ذکر ہے، اُن کے راویوں نے تہجد کے نوافل کو بھی وتر کے ساتھ شمار کیا ہے۔ یعنی تہجد اور وتر کا مجموعہ سات، نو، یا گیارہ رکعات ہے۔ اِس تاویل پر دلیل یہ ہے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ احادیث روایت کرنے والے صحابہ علیہم الرضوان سے نقل کیا کہ اُن کے نزدیک وتر تین رکعات ہیں، نیز اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔

صلاۃ اللیل سے متعلق روایات کا خلاصہ:

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین اور سیدنا عبد اللہ بن عباس وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کثیر اسانید کے ساتھ وتر سے متعلقہ روایات نقل کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی جوانی مبارک اور آخر عمر شریف میں "صلاۃ اللیل" کی تعداد اور ترتیب درج ذیل تھی:

جوانی مبارک میں: دو مختصر نفل + آٹھ رکعات تہجد + تین وتر۔

آخر عمر مبارک میں: چھ رکعات تہجد + تین وتر + دو نفل بیٹھ کر۔

یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ جوانی مبارک میں وتر سے پہلے چھ رکعات اور آخر عمر شریف میں وتر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے۔

روایات میں اختلاف کے اسباب: صلاۃ اللیل کے بارے روایات مختلف ہونے کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

1) آپ ﷺ کی نماز مختلف اوقات میں مختلف تھی۔ راویوں نے کبھی اغلب حالت والی رکعات بیان کیں، کبھی خاص موقع کی۔

2) بعض اوقات راویوں نے پوری صلاۃ اللیل بیان کی اور بعض اوقات حسبِ سوال و حالتِ سائل ایک خاص قسم کی رکعات کا ذکر کیا۔

باب القراءۃ فی رکعتی الفجر

فجر کی سنتوں میں قراءت کے بارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض اہل ظاہر کے نزدیک سنتِ فجر میں قراءت نہیں کی جائے گی۔

دلیل: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، حَتّٰى أَقُولَ: هَلْ قَرَأَ فِيهِمَا بِأُمِّ الْكِتَابِ ؟» (حدیث:1720)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنتِ فجر میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، أَقُولُ: يَقْرَأُ فِيهِمَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.» (حدیث:1723)

☆ عبد الرحمٰن بن جُبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ اُنھوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سنتِ فجر میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے سنا، وہ اِس پر کچھ بھی اِضافہ نہیں کرتے تھے۔(حدیث:1749)

تیسرا قول: احناف اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنتِ فجر میں قراءت کا حکم بھی دیگر سنن کی طرح ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ''سنت فجر کی پہلی رکعت میں ''الحمد'' کے بعد ''سورۂ کافرون'' اور دوسری میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' پڑھنا سنت ہے۔''(بہار شریعت، حصہ:4، ص:665)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا کہ سنتِ فجر میں طویل قراءت مستحب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«مَا أُحْصِي مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَالرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ بِ"قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" وَ"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ".» (حدیث:1725)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«رَمَقْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً أَوْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مَرَّةً يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ بِ"قُلْ يَآيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" وَ"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ".» (حدیث:1727)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے سنتِ فجر میں آیات کی تلاوت نقل کی۔ (حدیث:1728 تا 1731) سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے سنتِ فجر میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص کی تلاوت کی اور آپ ﷺ نے اُس کی تائید و تحسین فرمائی۔ (حدیث:1732)

طویل قراءت کا استحباب: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا کہ سنت فجر میں طویل قراءت مستحب ہے۔ استدلال یہ ہے کہ طویل قیام والی نماز افضل ہے، جیسا کہ حدیث:1734 سے واضح ہے۔ سنتِ فجر کی تاکید باقی تمام سنتوں سے زیادہ ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «لَا تَتْرُكُوا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ.» (حدیث:1739)

نیز اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی رسول اللہ ﷺ سے سنتِ فجر کی نہایت تاکید نقل کی ہے۔ (حدیث:1740، 1742)

لہٰذا افضل سنت یعنی سنتِ فجر میں نماز کا افضل وصف یعنی طویل قیام اور طویل قراءت مستحب ہے۔

☆ حضرت حماد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ''کیا میں سنت فجر میں طویل قراءت کر سکتا ہوں؟'' اُنھوں نے فرمایا: "نَعَمْ إِنْ شِئْتَ "(رقم:1744)

☆ سراجِ اُمت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«رُبَّمَا قَرَأْتُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ جُزْءَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ.» (رقم:1743)

بعض اوقات میں نے سنت فجر میں قرآن پاک کے دو جز پڑھے۔

نظر طحاوی: بالاتفاق سنتِ فجر کے علاوہ نمازوں میں قراءت ضروری ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ سنت فجر میں بھی ضروری ہو۔

اُمّ المؤمنین کی روایت کا جواب: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اِرشاد کا مقصود تلاوت کی نفی نہیں۔ آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے، مگر تخفیف کے سبب اُم المؤمنین بطورِ تعجب کہتیں: ''کیا صرف سورۂ فاتحہ پڑھی ہے؟''

باب الرکعتین بعد العصر

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ عصر کے بعد دو رکعات مسنون ہیں یا مکروہ۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کے بعد دو رکعات ادا کرنا سنت ہے۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«مَا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي يَكُونُ عِنْدِي فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ.» (حدیث:1750)

☆ سیدنا زید بن خالد جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کے بعد دو رکعات ادا کیں اور فرمایا:

«لَا أَدَعُهُمَا بَعْدَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُصَلِّيهِمَا.» (حدیث:1759)

دوسرا قول: احناف اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عصر کے بعد ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا ابن عباس نے سیدنا عمر فاروق اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فجر کے بعد طلوع شمس تک، اِسی طرح عصر کے بعد غروب شمس تک نماز سے منع فرمایا۔

(حدیث:1767،1766)

☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ رَكْعَتَيْنِ إِلَّا الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ.»

(حدیث:1770)

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اِس کی مثل نقل کیا۔(حدیث:1772)

اُمّ المؤمنین کی روایت کا جواب: عصر کے بعد دوگانہ سے متعلق اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات متعارض ہیں، اُن سے استدلال درست نہیں۔ شروع باب میں اُن سے

منقول ہوا کہ آپ ﷺ اُن کے ہاں عصر کے بعد دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ دیگر روایات میں ہے کہ سیدنا معاویہ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِس حوالے سے سوال کے لیے اُن کی خدمت میں ایک شخص کو بھیجا تو اُنھوں نے فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں، اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھو۔“ اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اِستفسار پر فرمایا: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نمازِ عصر کے بعد میرے پاس تشریف لا کر دو رکعات ادا کیں۔ میں نے عرض کی: ”یارسول اللہ! آپ پہلے تو یہ دو رکعات ادا نہ فرماتے تھے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: «قَدِمَ عَلَيَّ وَفْدٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ أَوْ جَاءَتْنِي صَدَقَةٌ، فَشَغَلُونِي عَنْ رَكْعَتَيْنِ كُنْتُ أُصَلِّيهِمَا بَعْدَ الظُّهْرِ، وَهُمَا هَاتَانِ.» (حدیث:1761)

عصر کے بعد سنتِ ظہر کی قضا میں اختلاف

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی شخص ظہر کے بعد سنتیں ادا نہ کر پائے تو وہ عصر کے بعد اُن کی قضا کر سکتا ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) اُن کی دلیل یہ ہے کہ اُم المؤمنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عصر کے بعد اِن کی قضا فرمائی تھی۔

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنتِ فجر کے علاوہ سنتوں کی قضا نہیں، عصر کے بعد سنتِ ظہر کی قضا پڑھنا آپ ﷺ کا خاصہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ دو رکعات ادا کیں تو اُنھوں نے پوچھا: ”یارسول اللہ اگر سنتِ ظہر ادا نہ کر سکیں تو ہم بھی قضا کر لیا کریں؟“ فرمایا: ”نہیں۔“ (حدیث:1793)

نظر طحاوی: ظہر کے بعد والی رکعات فرض نہیں، سنت ہیں۔ اگر عصر کے بعد اُن کی قضا کی جائے تو بطورِ نفل ہی پڑھی جائیں گی۔ جب بالاتفاق نماز عصر کے بعد دیگر نوافل کی اجازت نہیں تو نظر کا تقاضا ہے کہ یہ رکعات بھی ممنوع ہوں۔

باب الرجل یصلّی بالرجلین أین یقیمھما

ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ دو مقتدی ہونے کی صورت میں اُنھیں کہاں کھڑا ہونا چاہیے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر جماعت میں دو مقتدی ہوں تو مستحب یہ ہے کہ اُن میں سے ایک امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور دوسرا بائیں جانب۔

دلیل: حضرت اسود علیہ الرحمہ کہتے ہیں: میں اور میرے چچا سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں دوپہر کے وقت حاضر ہوئے، آپ نے نماز شروع کی، ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ہم میں سے ایک کو دائیں ہاتھ سے اور دوسرے کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر اپنے دائیں بائیں کھڑا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«هٰكَذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَصْنَعُ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً.» (حدیث:1795)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جماعت میں دو مقتدی ہوں تو مستحب یہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”اکیلا مقتدی مرد اگرچہ لڑکا ہو، امام کے برابر داہنی جانب کھڑا ہو، بائیں طرف یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ دو مقتدی ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے۔ دو سے زائد کا امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (بہار شریعت، ج:1، ص:584، 585)

دلائل: ☆ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نماز ادا کر رہے تھے۔ حتی کہ میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ فرماتے ہیں:

«فَأَخَذَنِي بِيَدِهِ فَأَدَارَنِي حَتّٰى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ، وَجَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ، فَقَامَ عَنْ يَسَارِهِ، فَدَفَعَنَا بِيَدِهِ جَمِيعًا حَتّٰى أَقَامَنَا خَلْفَهُ.» (حدیث:1797)

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اُن کی دادی سیدتنا مُلیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تاجدارِ حرم ﷺ کی کھانے کے لیے دعوت کی، جو اُنھوں نے تیار کیا تھا، آپ ﷺ نے اُس سے تناول کیا، پھر فرمایا: ''اُٹھو تاکہ میں تمھیں نماز پڑھاؤں۔'' سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی کی طرف گیا جو کہ طویل عرصہ اِستعمال ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اُسے پانی سے دھویا۔ فرماتے ہیں:

«فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ.» (حدیث:1798)

☆ حضرت عبد اللہ بن عُتبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«جِئْتُ بِالْهَاجِرَةِ إِلٰى عُمَرَ، فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي، فَقُمْتُ عَنْ شِمَالِهِ، فَأَخْلَفَنِي، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، ثُمَّ جَاءَ يَرْفَأُ، فَتَأَخَّرْتُ، فَصَلَّيْتُ أَنَا وَهُوَ خَلْفَهُ.» (حدیث:1799)

روایت ابن مسعود کا جواب: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) سیدنا جابر، سیدنا انس اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات اِس کے معارض ہیں اور اِس پر راجح ہیں۔

2) اِس روایت کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی نے بھی مرفوعاً نقل نہیں کیا۔ جب ابن عون رحمہ اللہ تعالیٰ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ حدیث ذکر کی تو اُنھوں نے فرمایا: ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت ہونے کی بنا پر اُنھیں برابر کھڑا نہیں کیا، بلکہ کسی عذر یا حکمت کے پیشِ نظر ایسا کیا۔'' اور حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ حدیث کے راوی علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال ہے۔'' اِس لیے ممکن ہے کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے محمد بن سیرین اور شعبی

رحمہا اللہ تعالیٰ کے سامنے اِس حدیث کو مرفوعاً بیان نہ کیا، بعد میں اسود رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو مرفوعاً بیان کیا ہو۔

نظرطحاوی: بالاتفاق ایک مقتدی امام کے برابر کھڑا ہوگا اور تین پیچھے کھڑے ہوں گے، اگر مقتدی دو ہوں تو اُن کے بارے اختلاف ہے۔ سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے روایت کیا: «الإثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ»(دو یا زیادہ جماعت ہیں) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وِراثت کے مسائل میں دو کا حکم تین اور اُس سے زائد والا اِرشاد فرمایا ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ جماعت کے مسئلہ میں بھی دو مقتدیوں کا حکم زیادہ والا ہو اور اُن کا اِمام کے پیچھے کھڑا ہونا مستحب ہو۔

باب صلاۃ الخوف کیف ھی

نمازِ خوف کی ادائیگی کے طریقہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا طریقہ: حضرت عطاء اور دیگر بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ خوف ایک رکعت ہے۔

دلائل: ☆ بروایتِ مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«فَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ أَرْبَعًا فِي الْحَضَرِ، وَرَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ، وَرَكْعَةً فِي الْخَوْفِ.» (حدیث:1806)

☆ سیدنا زید بن ثابت، سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ خوف پڑھائی، ایک جماعت دشمنوں کے مقابل رہی اور دوسری آپ ﷺ کے پیچھے صف بستہ ہوگئی۔ شفیعِ اُمت ﷺ نے اِنھیں ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یہ دشمنوں کے مقابل چلے گئے اور دوسرے آپ کے پیچھے آگئے۔ آپ ﷺ نے اُنھیں بھی ایک رکعت پڑھائی۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَانِ وَلِكُلِّ طَائِفَةٍ رَكْعَةٌ رَكْعَةٌ.»

آپ ﷺ کی دو رکعات ہوئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔

(دیکھیے: حدیث:1808 تا 1814)

روایتِ سیدنا ابن عباس کا جواب: آغازِ باب میں مذکور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) وہ روایت آیتِ کریمہ [النساء:102] کے خلاف ہے، کیونکہ اُس میں آپ ﷺ کو دو رکعات پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

2) بروایتِ عُبید اللہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں کو ایک ایک رکعت پڑھائی۔ (حدیث:1807) یہ ممکن نہیں کہ آپ ﷺ پر ایک رکعت فرض ہو اور آپ سلام پھیرے بغیر مزید ایک رکعت ملائیں، کیونکہ فرض کے ساتھ غیر فرض کو ملانے سے فرضیت باطل ہو جاتی ہے۔

جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات متعارض ہیں تو اُن سے استدلال درست نہیں۔

دیگر روایات کا جواب: جن روایات میں ہے: ''آپ ﷺ کی دو رکعات ہوئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔'' اُن میں راویوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ دونوں جماعتوں نے بعد میں ایک ایک رکعت ادا کی یا نہیں۔ احتمال ہے کہ اُنھوں نے آپ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک ایک رکعت ادا کی ہو۔ اِس احتمال کی تائید درج ذیل اُمور سے ہوتی ہے:

1) سیدنا حذیفہ بن یمان علیہ الرضوان فرماتے ہیں: «صَلَاةُ الْخَوْفِ رَكْعَتَانِ وَأَرْبَعُ سَجَدَاتٍ.» (حدیث:1815)

2) سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے: «فَقَامَ كُلُّ فَرِيقٍ، فَصَلَّوْا رَكْعَةً رَكْعَةً.» (حدیث:1816)

3) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی صراحت ہے کہ اُنھوں نے بعد میں ایک ایک رکعت ادا کی۔ (حدیث:1817)

4) نظر کا بھی یہی تقاضا ہے۔

نظر طحاوی: بالاتفاق حالتِ امن میں سفر و حضر کے اندر امام اور مقتدی کی نماز یکساں ہے۔ نیز ایسا تو ممکن ہے کہ مقتدی پر وہ لازم ہو جو امام پر لازم نہیں (جیسا کہ مقیم اگر مسافر کی اقتدا کرے تو اُس پر چار رکعات لازم ہوتی

ہیں، جب کہ امام پر دو رکعات فرض ہیں)، مگر یہ ممکن نہیں کہ اِمام پر جو لازم ہے وہ مقتدی پر لازم نہ ہو۔ جب روایات سے ثابت ہوا کہ امام پر دو رکعات لازم ہیں تو نظر کا تقاضا ہے کہ مقتدی پر بھی دو ہی لازم ہوں۔

نوٹ: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ دونوں جماعتوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں اکٹھے نماز شروع کی۔ (حدیث:1817) یہ روایت آیتِ کریمہ {وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا} [النساء:102] کے خلاف ہے اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کے بھی معارض ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: «وَيَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ وَلَمْ يُصَلُّوا...» (حدیث:1820) یعنی ایک جماعت امام اور دشمنوں کے درمیان رہے اور وہ پہلی رکعت امام کے ساتھ نہ پڑھیں۔

دوسرا طریقہ: شوافع اور اکثر حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز خوف میں امام دو رکعات اس طرح پڑھائے کہ ایک جماعت اس کے ساتھ ایک رکعت پڑھے، پھر امام کھڑا رہے اور وہ اپنی بقیہ رکعت ادا کریں، پھر دونوں جماعتوں کے جگہ تبدیل کرنے کے بعد امام دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے، پھر تشہد مکمل کرنے کے بعد انتظار کرے، جب وہ بقیہ رکعت ادا کرلیں تو ان کے ساتھ سلام پھیر دے۔

دلیل: حضرت یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح بن خوات رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز خوف ادا کرنے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ صف بستہ ہوگئی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل رہی:

«فَصَلّٰى بِالَّذِينَ مَعَهٗ رَكْعَةً، ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ انْصَرَفُوا فَصَفُّوا وِجَاهَ الْعَدُوِّ، وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهٖ، ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا، وَأَتَمُّوا لِأَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ.» (حدیث:1825)

مذکورہ دلیل کا جواب: حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح بن خوات رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور اُنھوں نے سیدنا سہل بن حثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ پہلی جماعت آپ ﷺ کے ساتھ ایک

رکعت ادا کرنے کے بعد دشمنوں کے مقابل چلی گئی۔(حدیث:1814)اِس روایت کی سند قوی ہے۔ اگر دونوں کی اسناد برابر ہوں تو صالح بن خوات رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات میں تعارض ہوا؛ لہٰذا اُن کی روایات سے استدلال درست نہیں۔

نوٹ: حضرت صالح رحمہ اللہ تعالیٰ سے بروایتِ یحی بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کی مؤید حدیث منقول ہے،(حدیث:1826)مگر وہ مرفوع نہیں۔

نظرطحاوی: مقتدی امام کے ساتھ یا اُس کے بعد ارکان ادا کرتا ہے۔ ایسی کوئی متفق علیہ مثال نہیں کہ مقتدی امام سے پہلے نماز کا کوئی رکن ادا کرلے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کیا جائے اور نمازِ خوف میں بھی امام سے پہلے کوئی رکعت ادا کرنا درست نہ ہو۔

سوال: جب نمازِ خوف میں خلافِ قیاس غیر قبلہ کی طرف رُخ کرنا جائز ہے تو خلافِ قیاس مقتدی کا امام سے پہلے رکعت ادا کرلینا کیوں جائز نہیں؟

جواب: غیر قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کرنے کی متفق علیہ صورتیں موجود ہیں، مثلا: جہاد کے دوران دشمن کے حملے کا خوف ہو تو دوسری طرف رُخ کرکے نماز ادا کرنا؛ لہٰذا نمازِ خوف میں بھی ایسا کرنا جائز ہے۔(جب پوری نماز غیر قبلہ کی طرف رُخ کرکے ادا کرنا جائز ہے تو نمازِ خوف کی ایک رکعت کے بعد غیر قبلہ کی طرف رُخ کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔) مگر مقتدی کے امام سے پہلے فارغ ہونے کی کوئی متفق علیہ مثال میسر نہیں؛ لہٰذا یہ نمازِ خوف میں بھی ناجائز ہے۔

ایک غیر معمول بہارِوایت: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں جماعتوں نے نمازِ خوف اکٹھے شروع کی۔ پھر آپ ﷺ ایک جماعت کو پہلی رکعت پڑھانے کے بعد اُن کے ہمراہ دشمنوں کے مقابل تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمارہے، اِس دوران دوسری جماعت نے ایک رکعت ادا کی۔ پھر آپ ﷺ نے اِنھیں دوسری رکعت پڑھائی۔ پھر دونوں جماعتوں نے جگہ

تبدیل کی اور پہلی جماعت (جس نے آپ ﷺ کے ساتھ پہلی رکعت ادا کی تھی) نے اپنی دوسری رکعت ادا کی، اِس دوران رسول ﷺ بیٹھے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور دونوں جماعتوں نے آپ کے ساتھ سلام پھیرا۔ (حدیث:1828)

یہ روایت دیگر احادیث اور آیتِ قرآنیہ {وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا} [النساء: 102] کے خلاف ہے۔ آیتِ کریمہ میں ایک جماعت کے امام کے ساتھ نماز شروع کرنے کا ذکر ہے۔ نیز دونوں جماعتوں کے امام کی طرف آنے اور دشمن کے مقابل جانے کا ذکر ہے، نہ کہ اِمام کے اُن کے ساتھ جانے کا۔

تیسرا طریقہ: خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ خوف میں امام دونوں جماعتوں کو دو دو رکعات پڑھائے گا۔ یوں امام کی چار رکعات ہوں گی اور دونوں جماعتوں کی دو دو رکعات۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جانِ جہاں ﷺ نے اُنھیں نمازِ خوف پڑھائی۔ کہتے ہیں:

«فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ مِنْهُمْ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْصَرَفُوا وَجَاءَ الْآخَرُونَ، فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَرْبَعًا، وَصَلّٰى كُلُّ طَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ.» (حدیث:1830)

☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اِسی طرح مروی ہے۔ (حدیث:1833)

مذکورہ دلائل کے جوابات: مذکورہ بالا روایات کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) ممکن ہے کہ اِس موقع پر آپ ﷺ شرعی مسافر نہ ہوں، اِس لیے چار رکعات ادا فرمائیں، اور دونوں جماعتوں نے آپ ﷺ کی فراغت کے بعد دو رکعات ادا کیں، جن کا راوی نے ذکر نہیں کیا۔

2) اگر تسلیم نہ کیا جائے کہ دونوں جماعتوں نے بعد میں دو دو رکعات ادا کیں تو بھی اِس روایت سے استدلال درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے یہ نماز اُس وقت ادا فرمائی ہو جب ابھی فرض نماز دو مرتبہ ادا

کرنے کی اِجازت تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں کو دو دو رکعات پڑھائیں، پہلا دوگانہ بھی بطورِ فرض ادا کیا اور دوسرا بھی بطورِ فرض۔ بعد میں فرض کو دو مرتبہ ادا کرنے کی اجازت منسوخ ہوگئی۔(حدیث:1836)

3) اِس نماز کی ادائیگی کے وقت ابھی قصر کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اِس لیے آپ ﷺ نے دونوں جماعتوں کو دو دو رکعات پڑھائیں اور اُنھوں نے آپ ﷺ کی فراغت کے بعد دو دو رکعات ادا کیں۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔(حدیث:1837)

امام ابو یوسف سے پہلی روایت: نمازِ خوف کے بارے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات منقول ہیں۔ پہلی روایت کے مطابق اُن کے نزدیک اگر دشمن قبلہ کی طرف ہو تو نمازِ خوف کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں جماعتیں امام کے ساتھ نماز شروع کریں اور امام کے ساتھ ہی رکوع و قومہ کریں۔ جب امام سجدے میں جائے تو ساتھ والے سجدہ کریں، جب کہ دوسرے کھڑے رہیں۔ امام کے سجدہ کر لینے کے بعد دوسرے سجدہ کریں، پھر جگہ تبدیل کرلیں۔ دوسری رکعت میں بھی اِسی طرح دونوں جماعتیں اِمام کے ساتھ رکوع اور قومہ کریں۔ جب امام سجدے میں جائے تو ساتھ والے بھی سجدہ کریں، جب کہ دوسرے کھڑے رہیں۔ امام کے سجدہ کر لینے کے بعد دوسرے سجدہ کریں۔ اب سبھی امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ کر کے سلام پھیر دیں۔

دشمن غیر قبلہ کی طرف ہو تو نمازِ خوف کا طریقہ وہی ہے جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی مذکورہ بالا روایت کو اختیار کیا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو عیاش زُرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مقام عُسفان میں دشمن قبلہ کی جانب تھا اور رسول اللہ ﷺ نے نماز خوف اِسی طرح ادا فرمائی۔(حدیث:1839) نیز سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اِسی طرح مروی ہے۔(حدیث:1840) دیگر صحابہ علیہم الرضوان کی روایات میں

یہ مذکور نہیں کہ دشمن قبلہ کی جانب تھا یا دوسری جانب، البتہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح کی ہے کہ دشمن غیر قبلہ کی جانب تھا۔(حدیث:1819)

لٰہذا احادیث میں تطبیق کی جائے گی اور دشمن قبلہ کی جانب یا غیر قبلہ کی جانب ہونے کی صورت میں نماز کا طریقہ مختلف ہوگا۔

☆ بروایتِ عُبید اللہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے موقف کے موافق حدیث منقول ہوئی اور اس میں تصریح ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف تھا۔(حدیث:1807) پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ سیدنا ابو عیاش زُرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے موافق منقول ہے۔(حدیث:1841)

حضرت عبید اللہ علیہ الرحمہ والی روایت کے طریقہ کو قبلہ رُخ ہونے اور سیدنا ابو عیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے طریقہ کو غیر قبلہ رُخ ہونے پر محمول کرنا ممکن نہیں، کیونکہ جب وہ دشمن پُشت کی جانب ہونے کی صورت میں قبلہ کی طرف پیٹھ نہیں کرتے تھے (بلکہ قبلہ رُخ ہوکر نماز شروع کردیتے تھے) تو دشمن سامنے (قبلہ رُخ) ہونے کی صورت بدرجۂ اولیٰ قبلہ کی طرف پیٹھ نہیں کرتے ہوں گے (بلکہ سبھی امام کے ساتھ نماز شروع کرتے ہوں گے)۔

نیز جب عبید اللہ علیہ الرحمہ والی روایت میں تصریح ہے کہ اُس وقت دشمن قبلہ کی طرف تھا، اِس کے باوجود سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ اُس کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک دشمن قبلہ کی جانب ہونے کی صورت میں وہ طریقہ منسوخ ہوچکا ہے۔ غیر قبلہ کی جانب ہونے کی صورت میں منسوخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں؛ لٰہذا اِس صورت میں اسی طرح نماز ادا کی جائے گی جس طرح صحابہ علیہم الرضوان نے نقل کیا (اِسے منسوخ نہیں کہا جائے گا)۔

قرآن کریم سے تعارض کا جواب: دشمن قبلہ کی جانب ہونے کی صورت میں نماز کا طریقہ قرآن کریم کے متعارض ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس کا جواب دیا کہ ممکن ہے آیتِ کریمہ اس وقت

نازل ہوئی ہو جب دشمن غیر قبلہ کی طرف تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو مطلع فرمایا کہ دشمن قبلہ کی جانب ہونے کی صورت میں نماز کا کیا طریقہ ہے۔

مذکورہ استدلال کا جواب: امام طحاوی علیہ الرحمہ نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ روایت کو اختیار کیا ہے، مگر جمہور احناف کے ہاں یہ روایت غیر مفتی بہ ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ سیدنا ابوعیاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت آیتِ کریمہ: {وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ یُصَلُّوْا} [النساء:102] کے خلاف ہے اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کے بھی معارض ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: «وَیَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ وَلَمْ يُصَلُّوا...» (حدیث:1820) یعنی ایک جماعت امام کے اور دشمنوں کے درمیان رہے اور وہ پہلی رکعت امام کے ساتھ نہ پڑھیں۔

قرآن کریم سے تعارض کے جواب میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بات ذکر کی وہ محض احتمال پر مبنی ہے۔ نیز اس صورت میں خبر واحد سے کتاب اللہ کے اطلاق کو نسخ کرنا لازم آتا ہے۔ نیز سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال بھی واضح نہیں۔

امام ابویوسف سے دوسری روایت: نمازِ خوف کے بارے امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات منقول ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق اُن کے نزدیک آپ ﷺ کی وفات کے بعد نماز خوف جائز نہیں۔ (فقہ حنفی کی کتب میں اُن کی یہی روایت مذکور ہے)

دلائل: نمازِ خوف کی مشروعیت والی آیت [النساء:102] میں آپ ﷺ سے خطاب ہے۔ نیز اِس نماز کی اجازت آپ ﷺ کی اقتدا کی فضیلت کی وجہ سے ہے اور یہ فضیلت کسی اور کی اقتدا میں نہیں ہے۔

مذکورہ دلائل کے جوابات: آیتِ کریمہ میں اگرچہ آپ ﷺ سے خطاب ہے، مگر اُس کا

حکم عام ہے۔ جیسے: {خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً} [التوبہ:103] نیز جب نماز کے دیگر احکام آپ ﷺ کی اقتدا میں اور دیگر کی اقتدا میں یکساں ہیں تو نمازِ خوف کا حکم بھی یکساں ہے۔

امام اعظم کا موقف: سراج اُمت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک میدانِ جہاد میں تمام مجاہدین کے اکٹھے نماز ادا کرنے کی صورت میں دشمنوں کے حملے کا اندیشہ ہو اور تمام مجاہدین پہلی جماعت میں شرکت پر اِصرار کریں تو امام ایک جماعت کو دشمن کے مقابل کھڑا کرے اور دوسری جماعت امام کے ساتھ نماز ادا کرے۔ اِن کے ساتھ ایک رکعت ادا کرنے کے بعد جب امام دوسرے سجدے سے سر اٹھائے تو یہ دشمن کے مقابل چلے جائیں اور جو وہاں ہیں وہ امام کے پیچھے آ جائیں۔ اب امام اُن کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیر دے، مگر مقتدی سلام نہ پھیریں۔ اب یہ لوگ ابھی دشمن کے مقابل چلے جائیں یا یہیں قراءت کے ساتھ اپنی نماز پوری کر کے جائیں۔ دوسرے (جنہوں نے امام کے ساتھ پہلی رکعت ادا کی تھی) آجائیں اور بغیر قراءت کیے ایک رکعت پڑھ کے تشہد کے بعد سلام پھیر دیں۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ وہیں اپنی نماز پوری کر لیں۔ اگر پہلوں نے دوسری رکعت ادا نہیں کی تھی تو وہ واپس آکر بغیر قراءت کے نماز مکمل کر لیں۔(ملخص از بہار شریعت)

دلائل: بروایتِ عبید اللہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِسی طرح منقول ہے۔ نیز سیدنا زید بن ثابت، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا جابر بن عبد اللہ اور سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔(دیکھیے: حدیث 1807 تا 1820)

وجوہ ترجیح: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول متعدد وجوہ سے راجح ہے:

1) آیتِ کریمہ کے موافق ہے۔

2) نماز پنج گانہ کے اُصول کے قریب تر ہے۔

3) یہ طریقہ روایت کرنے والے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اکثر کی روایات تعارض سے محفوظ ہیں۔

باب الرجل یکون فی الحرب فتحضرہ الصلاۃ وھو راکب، ھل یصلی أم لا

دورانِ جہاد اگر سواری سے اُترنا ممکن نہ ہو تو سواری پر فرض نماز ادا کرنے کے جواز سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حالت خوف میں بھی سواری پر فرض نماز ادا کرنا جائز نہیں۔ اُترنا ممکن نہ ہو تو بعد میں قضا پڑھے۔

دلیل: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر ظہر، عصر اور مغرب سورج غروب ہونے کے بعد ادا کیں۔ (دیکھیے حدیث:1842) اگر سواری پر پڑھنا جائز ہوتا تو آپ ﷺ نے اِنھیں سواری پر ہی ادا فرماتے اور وقت سے مؤخر نہ کرتے۔

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دورانِ جہاد سواری سے اُترنا ممکن نہ ہو تو اُس پر نماز ادا کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لڑائی کے دوران بھی نماز ادا کر سکتا ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک لڑتے ہوئے نماز ادا کرنا درست نہیں۔

دلیل: اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: {فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا} [البقرۃ:239] پس اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لو)۔

جواب: غزوۂ خندق والی روایت کا جواب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کریمہ اُس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تصریح فرمائی۔ (حدیث:1844)

باب الإستسقاء كيف هو وهل فيه صلاة أم لا

طلبِ باراں کے لیے نماز باجماعت کی سنیّت میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اِستسقا (بارش طلب کرنا) دُعا و استغفار کا نام ہے۔ اِس کے لیے نماز باجماعت سنت نہیں۔ اگر نماز پڑھنا چاہیں تو اختیار ہے کہ جماعت سے پڑھیں یا تنہا تنہا۔

دلائل: ☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ اِرشاد فرمارہے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ قحط سالی ہوگئی ہے، بارش کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی: «اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا» (اے اللہ، ہمیں بارش عطا فرما) تو فوراً بارش برسنے لگی۔ (حدیث:1845)

☆ سیدنا کعب بن مرہ یا مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ عزوجل کے نائبِ مطلق ﷺ کی خدمت میں بارش کی دعا کے لیے درخواست کی۔ آپ ﷺ درج ذیل الفاظ سے دعا جو ہوئے:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيثًا مَّرِيئًا مُرِيْعًا طَبَقًا غَدَقًا، عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ، نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ.» (حدیث:1850)

دوسرا قول: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِستسقا کے لیے نماز باجماعت سنت ہے (اگرچہ نماز کی کیفیت میں اُن کا اختلاف ہے)۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کا موقف تعبیر کرتے ہوئے لکھا: ''اِمام دو رکعت جہر کے ساتھ نماز پڑھائے اور بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں هَلْ اَتٰىكَ پڑھے اور نماز کے بعد زمین پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی خطبہ پڑھے اور خطبہ میں دُعا و تسبیح و اِستغفار کرے اور اثنائے خطبہ میں چادر لوٹ دے، یعنی اُوپر کا کنارہ نیچے اور نیچے کا اُوپر کر دے، کہ حال بدلنے کی فال ہو، خطبہ سے فارغ ہو کر لوگوں کی

طرف پیٹھ اور قبلہ کو منہ کر کے دُعا کرے۔“(بہار شریعت،ج:1،ص:794)

قولِ مفتٰی بہ: امام طحاوی علیہ الرحمہ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول اختیار کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ”نماز استسقاء صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور اِسی پر عمل ہے۔“ (فتاوی رضویہ،ج:8،ص:641) جب کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے درّ مختار وغیرہ سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی ترجیح نقل کی۔(بہارِ شریعت،ج:1،ص:793)

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«خَرَجَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَوْمًا يَسْتَسْقِي، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ، قَالَ: ثُمَّ خَطَبَنَا، وَدَعَا اللهَ، وَحَوَّلَ وَجْهَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَقَلَبَ رِدَاءَهٗ، فَجَعَلَ الْأَيْمَنَ عَلَى الْأَيْسَرِ وَالْأَيْسَرَ عَلَى الْأَيْمَنِ.» (حدیث:1861)

نیز سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِستسقا کے موقع پر چادر مبارک پلٹنے کی تفصیل نقل کی۔ (حدیث:1855) اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا آپ ﷺ نے دو رکعات پڑھائیں جن میں بآوازِ بلند قراءت فرمائی۔(حدیث:1858)

خطبہ کا وقت: اِستسقا میں خطبہ نماز سے پہلے ہے یا اُس کے بعد؟ اِس بارے احادیث مختلف ہیں۔

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز سے پہلے خطبہ اِرشاد فرمایا۔(حدیث:1861، 1863) جب کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے نماز کے بعد اِرشاد فرمایا۔(حدیث:1861) نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا جائے۔

نظرِ طحاوی: بالاتفاق جمعہ میں خطبہ نماز سے پہلے ہے، جب کہ عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہے۔ اِستسقا کے خطبہ میں اختلاف ہے۔ چونکہ نمازِ استسقا عیدین کے زیادہ مشابہ ہے، اِن دونوں میں خطبہ شرط نہیں ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ اِستسقا کا خطبہ بھی عیدین کی طرح نماز کے بعد ہو۔

وجہ ترجیح: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین کے قول کی وجہ ترجیح یہ بیان کی کہ دیگر روایات میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر اضافہ ہے؛ لہٰذا اِن پر بھی عمل کیا جائے گا۔

امام اعظم کے قول کی وجہ ترجیح: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کئی وجوہ سے راجح ہے:

1) آیت کریمہ کے زیادہ قریب ہے۔ سیدنا نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ دعا کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: {اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا} [نوح:10، 11]

2) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قحط سالی کے وقت درج ذیل دعا کرتے تو بارش ہو جاتی تھی: «اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا.» (بخاری)

صاحبین کے دلائل کے جوابات: جمہور احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اختیار کیا ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے دلائل کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) احناف کے ہاں قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ میں ابتلائے عام ہو اُس میں خبر واحد مقبول نہیں ہوتی۔ اِستسقا میں نماز اور خطبہ کی روایات احناف کے اُصول کے مطابق اخبار آحاد ہیں (دورِ صحابہ و بعد میں حد تواتر تک نہیں پہنچیں)۔

2) ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے چادر مبارک اِس لیے پلٹی ہو کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ چادر پلٹنے سے حالت تبدیل ہو جائے گی۔ یہ معنی کسی دوسرے کے حق میں نہیں پایا جا سکتا۔

(ماخوذ از بدائع الصنائع)

باب صلاۃ الکسوف کیف ھی

نمازِ کسوف کی ادائیگی کے طریقے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ کسوف کی دو رکعات ہیں۔ مستحب ہے کہ ہر رکعت میں دو رُکوع اور دو قیام ہوں، البتہ ایک ایک رکوع کے ساتھ دوگانہ بھی جائز ہے۔

دلائل: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا ابن عباس اور سیدنا عروہ بن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع کیے۔ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَامَ، فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ، فَأَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُونَ قِيَامِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَكَعَ، فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ رُكُوعِهِ الْأَوَّلِ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَسَجَدَ، ثُمَّ قَامَ، فَفَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، غَيْرَ أَنَّ الرَّكْعَةَ الْأُولٰی مِنْهُمَا أَطْوَلُ.» (حدیث:1868)

دوسرا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں چار رکوعات ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نقل کیا۔ (حدیث:1874و1877)

تیسرا قول: بعض کے نزدیک نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں تین رکوعات ہیں۔ جیسا کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا۔ (حدیث:1878و1880)

چوتھا قول: حضرت سعید بن جُبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوعات اور سجود کی تعداد معین نہیں، جب تک گرہن ختم نہ ہو نماز میں رکوع و سجود جاری رکھیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

«لَوْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فِي الرَّكْعَةِ الرَّابِعَةِ لَرَكَعَ وَسَجَدَ.» (حدیث:1882)یعنی اگر دوسری رکعت کے پہلے رکوع میں گرہن ختم ہو جاتا تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سجدے میں چلے جاتے اور نماز مکمل کرتے۔

نیز رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:«فَصَلُّوا حَتّٰى تَنْجَلِيَ»"سورج روشن ہونے تک نماز پڑھتے رہو۔" لہٰذا سورج روشن ہونے تک رکوع و سجود جاری رکھیں۔

پانچواں قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورج گرہن کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے،(باجماعت مستحب ہے اور تنہا تنہا بھی ادا کی جاسکتی ہے) جب کہ چاند گرہن کی نماز مستحب ہے۔(اِس میں جماعت نہیں ہے) دیگر نوافل کی طرح نمازِ کسوف کی بھی دو رکعات ہیں۔ دو سے زیادہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں، خواہ ہر دوگانہ پر سلام پھیریں یا چار پر۔ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔ اِس میں اذان و اقامت نہیں ہے اور قراءت آہستہ آواز سے کی جائے گی۔ نمازِ کسوف اگر باجماعت پڑھی جائے تو خطبہ کے علاوہ جمعہ کی تمام شرائط موجود ہونا ضروری ہے۔ اِس میں قراءت اور رکوع و سجود کو طویل کیا جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ نماز مختصر ہو اور ازاں بعد دعا میں مشغول رہیں۔(ملخص از بہارِ شریعت، ج:1، ص:787، 788)

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ، أَطَالَ فِيهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.» (حدیث:1887)

☆ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ كَمَا تُصَلُّونَ، رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ.» (حدیث:1894)

☆ سیدنا قَبیصہ بن مُخارق ہلالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہِ عرب و عجم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے روایت کیا:

«إِنَّمَا هٰذِهِ الْآيَاتُ يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا. فَإِذَا رَأَيْتُمُوهَا فَصَلُّوا كَأَحْدَثِ صَلَاةٍ صَلَّيْتُمُوهَا مِنَ الْمَكْتُوبَةِ.» (حدیث:1902)

یعنی یہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو قریب ترین فرض نماز (فجر) کی طرح نماز پڑھو۔ (ترجمہ ماخوذ از نخب الافکار)

نیز مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سیدنا سَمُرہ بن جُندب، سیدنا ابو بکرہ اور سیدنا مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کا بھی یہی مفہوم ہے۔ (حدیث:1888 تا 1899)

☆ سیدنا عبد اللہ بن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں نمازِ کسوف پڑھائی اور فجر کی طرح دو رکعات ادا کیں۔ حضرت زُہری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«لَمْ يَزِدْ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ مِثْلِ صَلَاةِ الصُّبْحِ.» (حدیث:1907)

وجوہ ترجیح: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف راجح ہونے کی چند وجوہ درج ذیل ہیں:

1) اکثر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی روایات اِسی موقف کی تائید کرتی ہیں۔

2) اِس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے قول مبارک سے بھی ہوتی ہے، جسے سیدنا قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا۔ (حدیث:1902)

3) احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی مؤیدہ احادیث روایت کرنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی روایات تعارض سے محفوظ ہیں۔

نظر طحاوی: بالاتفاق دیگر تمام نمازوں کی ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں۔ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر محمول کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ نماز کسوف کی ہر رکعت میں بھی ایک رکوع اور دو سجدے ہوں۔

پہلے تین اقوال پر دلائل کے جوابات: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع، سجود، سلام اور بعد میں دعا کرنا، سبھی اُمور کو نقل کیا۔ معلوم ہوا اُنھیں نمازِ کسوف کے بارے ٹھیک طرح سے یاد تھا، جب کہ پہلے اقوال کی روایات کے بارے یہ کہا جاسکتا ہے کہ رکوع طویل ہونے کے سبب اُم المؤمنین اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سمجھا کہ ایک سے زیادہ رکوع کیے ہیں، چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی نقل کر دیا۔

نیز ایک سے زیادہ رکوع نقل کرنے والے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی روایات متعارض ہیں۔ اُن سے استدلال درست نہیں۔ (دیکھیے شرح صحیح مسلم، از مفتی غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ، جلد:2، ص:719)

رکوع وسجود کی عدم تعیین پر دلائل کے جوابات: حضرت سعید بن جُبیر علیہ الرحمہ کے نزدیک نمازِ کسوف میں رکوع وسجود کی تعداد معین نہیں، جب تک سورج روشن نہ ہو رکوع وسجود جاری رکھیں۔ سیدنا قَبِیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اُن کے موقف کی تردید ہوتی ہے، جس میں تصریح ہے کہ نمازِ کسوف موقّت ومعلوم ہے۔ (حدیث:1902)

نیز رسول اللہ ﷺ کے اِرشاد: «فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوا حَتّٰى تَنْجَلِيَ» سے عدمِ تعیین پر استدلال بھی درست نہیں، کیونکہ اِس موقع پر صرف نماز مقصود نہیں، بلکہ تقرّب الی اللہ مقصود ہے، خواہ وہ نماز کے ذریعے ہو یا اِستغفار، دعا اور ذکر اللہ کے ذریعے۔ جیسا دیگر احادیث میں اِن تمام اُمور کا حکم فرمایا گیا ہے۔

(حدیث:1903 تا 1906)

باب القراءة فی صلاة الكسوف كیف ھی

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نمازِ کسوف میں آہستہ آواز سے قراءت کی جائے گی یا بلند آواز سے۔

پہلا قول: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دن کے دیگر نوافل کی طرح نمازِ کسوف میں بھی آہستہ آواز سے قراءت کرنا واجب ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ حَرْفًا.» (حدیث:1908)

☆ سیدنا سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِرشاد ہے:

«صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ، لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا.» (حدیث:1910)

دوسرا قول: صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ کسوف میں بلند آواز سے قراءت کی جائے گی۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اِسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ.» (حدیث:1913)

☆ حضرت حَنَش رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نمازِ کسوف میں جہراً قراءت کی۔ (حدیث:1915)

امام اعظم کے دلائل کا جواب: امام طحاوی علیہ الرحمہ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے جہراً قراءت فرمائی ہو اور دور ہونے کے سبب اِن حضرات تک آواز نہ پہنچی ہو۔

نظر طحاوی: بالاتفاق ظہر اور عصر میں آہستہ آواز سے قراءت کرنا واجب ہے اور جمعہ میں بلند آواز سے۔ معلوم ہوا جو فرائض روزانہ دن کے وقت ادا کیے جاتے ہیں اُن میں سِرّی قراءت کا حکم ہے اور جو خاص دنوں میں ادا کیے جاتے ہیں اُن میں جہری قراءت کا حکم ہے۔ نوافل (غیر فرائض) کا حکم بھی یہی ہے، مثلاً: عیدین خاص دنوں میں ادا کی جاتی ہیں، اِن میں جہری قراءت کا حکم ہے۔ چونکہ نمازِ کسوف بھی خاص موقع پر پڑھی جاتی ہے، نظر کا تقاضا ہے کہ اِس میں جہرا قراءت کی جائے۔

امام اعظم کے قول کی ترجیح: جمہور احناف نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول راجح قرار دیا ہے۔ اُنھوں نے اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا جواب دیا کہ خواتین کی صفیں مردوں سے پیچھے ہوتی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تلاوت سنی ہو اور سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ عنہم نے نہ سنی ہو؛ لہٰذا اِن کی روایات راجح ہیں۔

باب التطوّع باللّیل والنهار کیف ھو

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ دن اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ کتنی رکعات ادا کرنا افضل ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دن اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعات ادا کرنا افضل ہے۔

دلیل: حضرت علی بن عبد اللہ بارقی اور عبد اللہ عُمری رحمہا اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى.» (حدیث:1916)

دوسرا قول: صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دن کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ چار چار اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔ دن کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ چار سے زیادہ اور رات میں آٹھ سے زیادہ رکعات پڑھنا مکروہ ہے۔ (ملخص از دُرّ مختار) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دن اور رات کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ چار چار رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔ دن کے نوافل میں ایک سلام کے ساتھ چار سے زیادہ اور رات میں آٹھ سے زیادہ رکعات پڑھنا مکروہ ہے۔ (ایضاً)

دن میں چار رکعات پر دلائل: ☆ میزبانِ رسول سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ نو بہارِ شفاعت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زوالِ شمس (ظہر کا وقت شروع ہونے) کے بعد ہمیشہ چار رکعات ادا فرماتے۔ میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اِس بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَا أَيُّوبَ، إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، فَلَنْ تُرْتَجَ حَتَّى يُصَلَّى الظُّهْرُ، فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهِنَّ عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ أَنْ تُرْتَجَ.» (حدیث:1922)

☆ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا، لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِتَسْلِيمٍ.» (حدیث:1925)

رات میں دو رکعات پر دلائل: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے موقف کو راجح قرار دیتے ہوئے ذکر کیا کہ بروایتِ ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ تعالیٰ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تصریح منقول ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رات کی نماز میں ہر دوگانہ پر سلام پھیرتے تھے۔(حدیث:1643)

دن میں دو رکعات والی روایت کا جواب: قول اول کے تحت مذکور روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی بن عبد اللہ بارقی اور عبد اللہ عُمری رحمہما اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام حضرات کی روایات کے مطابق یہ فرمان مبارک صرف رات کی نماز کے بارے ہے۔(دیکھیے حدیث:1612 تا 1623)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل اِس روایت کے منافی ہے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے کہتے ہیں:

«كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ رَكْعَتَيْنِ وَبِالنَّهَارِ أَرْبَعًا.» (حدیث:1918)

نیز حضرت جَبَلَه بن سُحَیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعات اور جمعہ کے بعد دو، پھر چار رکعات پڑھتے تھے۔(حدیث:1919)

امام اعظم کے دلائل: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دن اور رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ چار چار رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔ دن کے بارے چار رکعات پر دلیل ماقبل سطور میں مذکور ہوئی۔ آپ ﷺ کی رات کی نماز نقل کرتے ہوئے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے درج ذیل الفاظ بھی اِرشاد فرمائے:

«يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا.» (حدیث:1641)

آٹھ رکعات تک جائز ہونے پر دلیل یہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی نقل کیا:

«لاَ يَجْلِسُ فِيهَا إِلاَّ فِي الثَّامِنَةِ.» (صحیح مسلم:1773)

وجہ ترجیح: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھا:

وَتَرَجَّحَتْ الْأَرْبَعُ بِزِيَادَةٍ مُنْفَصِلَةٍ؛ لِمَا أَنَّهَا أَكْثَرُ مَشَقَّةً عَلَى النَّفْسِ، وَقَدْ قَالَ ﷺ: «إِنَّمَا أَجْرُكَ عَلَى قَدْرِ نَصَبِكَ.» (ردّ المحتار)

یعنی ایک سلام کے ساتھ چار رکعات ادا کرنا نفس پر گراں تر ہے، اور حدیث میں پاک میں ہے کہ اجر مشقت و کوشش کے مطابق ملتا ہے۔

باب التطوّع بعد الجمعة کیف ھو

نمازِ جمعہ کے بعد مسنون رکعات کی تعداد میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز جمعہ کے بعد چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔ اِن کے بعد دو رکعات سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ''الاُمّ'' میں اِسے ہی اختیار فرمایا۔

دلائل: ☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّیٰ اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا مِنْكُمْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا.» (حدیث:1929)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرتے تھے۔

(حدیث:1925،1934)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے بعد دو رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صَلَّیٰ اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کے بارے کہتے ہیں:

«أَنَّهُ كَانَ لَا يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ إِلَّا فِي بَيْتِهِ.» (حدیث:1930)

نیز مروی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خود بھی نماز جمعہ کے بعد گھر جا کر دو رکعات ادا کرتے تھے۔(حدیث:1931)

تیسرا قول: امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔ بہتر ہے کہ پہلے چار رکعات ادا کرے پھر دو۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اِسے ہی اختیار کیا ہے۔

دلائل: ☆ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«صَلَّيْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ. فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ انْصَرَفَ.» (حدیث:1932)

☆ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ سِتًّا.» (حدیث:1933)

نوٹ: مذکورہ روایات میں دو رکعات کا ذکر چار سے پہلے ہے، جب کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے چار رکعات پھر دو رکعات ادا کرنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے بعد اُسی کی مثل رکعات ادا کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔(حدیث:1936)

حضرت ابو عبد الرحمٰن سُلمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بارے کہا: «فَكَانَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ صَلّٰى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعًا.» (حدیث:1934)اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ دو رکعات پہلے ادا کرتے تھے، کیونکہ اِس میں حرف ''و'' ہے، اور ''و'' مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے۔

پہلے اقوال کے دلائل کے جوابات: امام طحاوی علیہ الرحمہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرفین اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے پہلے آپ ﷺ نے وہ کلمات اِرشاد فرمائے ہوں جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیے، بعد میں آپ ﷺ مزید دو رکعات بھی ادا فرماتے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا۔ اِس احتمال کی تائید سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے اِرشاد سے ہوتی ہے۔(حدیث:1933)

طرفین کے قول کی وجہ ترجیح: اکثر علمائے احناف کے نزدیک طرفین رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول معمول بہ ہے۔ اُس کی وجہ ترجیح ذکر کرتے ہوئے علامہ کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

مَا رُوِيَ مِنْ فِعْلِهِ ﷺ فَلَيْسَ فِيهِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْمُوَاظَبَةِ، وَنَحْنُ لَا نَمْنَعُ مَنْ يُصَلِّي بَعْدَهَا كَمْ شَاءَ، غَيْرَ أَنَّا نَقُولُ: السُّنَّةُ بَعْدَهَا أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ لَا غَيْرُ؛ لِمَا رَوَيْنَا. (بدائع الصنائع)

یعنی جمعہ کے بعد چار سے زیادہ رکعات ادا کرنے کے جواز میں اختلاف نہیں، بالاتفاق زیادہ ادا کرنا بھی جائز ہے۔ اختلاف اِس بات میں ہے کہ چار رکعات سنتِ مؤکدہ ہیں یا اِس سے زائد۔ چونکہ چار سے زیادہ رکعات پر مواظبت ثابت نہیں، ممکن ہے کہ بعض اوقات اِس پر عمل کیا ہو؛ لہٰذا وہ مسنون نہیں۔

باب الرجل يفتتح الصلاة قاعدًا هل يجوز له أن يركع قائمًا أم لا

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص بیٹھ کر نوافل شروع کرے تو اُس کے لیے کھڑے ہو کر رکوع کرنا جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: بعض ائمہ علیہم الرحمہ کے نزدیک بیٹھ کر نماز شروع کرنے والا کھڑے ہو کر رکوع نہیں کر سکتا۔

دلیل: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكَبِّرُ لِلصَّلَاةِ قَائِمًا وَقَاعِدًا، فَإِذَا صَلّٰى قَائِمًا رَكَعَ قَائِمًا، وَإِذَا صَلّٰى قَاعِدًا رَكَعَ قَاعِدًا.» (حدیث:1937)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیٹھ کر نوافل شروع کرنے والا کھڑے ہو کر رکوع کر سکتا ہے۔ نیز ایک رکعت کا کچھ حصہ کھڑے ہو کر اور کچھ حصہ بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے۔

دلیل: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی رات کی نماز بیٹھ کر ادا کرتے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ آپ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے۔ فرماتی ہیں:

«فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا، حَتّٰى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثِينَ آيَةً أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، ثُمَّ رَكَعَ.» (حدیث:1945)

پہلی روایت کا جواب: اُم المؤمنین کے قول: "آپ ﷺ جب بیٹھ کر نماز ادا کرتے تو بیٹھ کر رکوع کرتے۔" میں صرف یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ ایسا کرتے تھے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیٹھ کر نماز شروع کرنے کی صورت میں کھڑے ہو کر رکوع کرنا جائز نہیں، جب کہ دوسری روایت میں تصریح ہے کہ بعض اوقات آپ ﷺ بیٹھ کر نماز شروع کرتے پھر کھڑے ہو کر کچھ قراءت کرنے کے بعد رکوع کر فرماتے۔

باب التطوّع فی المساجد

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ سننِ غیر مؤکدہ اور نوافل مسجد میں ادا کرنا نامناسب ہے یا نہیں۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر مؤکدہ سنتیں اور نوافل مسجد میں ادا کرنا مناسب نہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا کعب بن عُجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے بنو عبد الاَشہل کی مسجد میں نماز مغرب ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو نوافل ادا کرتے دیکھا تو فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا هٰذِهِ الصَّلَاةُ فِي الْبُيُوتِ.» (حدیث:1949)

☆ سیدنا عبد اللہ بن سعد انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر میں اور مسجد میں نماز ادا کرنے سے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ تَرٰى مَا أَقْرَبَ بَيْتِي مِنَ الْمَسْجِدِ! فَلَأَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً.» (حدیث:1950)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سننِ غیر مؤکدہ اور نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہے، مگر مسجد میں ادا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے، مگر تراویح و تحیۃ المسجد وغیرہ مسجد میں ادا کرے۔ اگر یہ خیال ہو کہ گھر جا کر کاموں کی مشغولی کے سبب نوافل ادا نہیں کر سکے گا، یا گھر میں یکسوئی اور خشوع میسر نہیں ہو گا تو مسجد میں ہی پڑھے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے گھر میں گزارنے کا اِرادہ کیا۔ وہ فرماتے ہیں:

«فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْعِشَاءَ . ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَهَا حَتّٰى لَمْ يَبْقَ فِي الْمَسْجِدِ غَيْرُهٗ.»

(حدیث:1951)

جواب: باب کے شروع میں مذکور روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نوافل گھر میں ادا کرنا افضل ہے (زیادہ ثواب والا ہے)، اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسجد میں ادا کرنا نامناسب ہے۔

باب التطوّع بعد الوتر

نمازِ وتر کے بعد نوافل ادا کرنے کے جواز میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ وتر کو صلاۃ اللیل کے آخر میں ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے وتر کے بعد نوافل پڑھے تو اُس کے وتر باطل ہو گئے اور اُس پر دوبارہ وتر پڑھنا لازم ہے۔ جو شخص رات کو وتر ادا کر کے سوئے اور پھر اُٹھ کر قیام کرنا چاہے تو وہ پہلے ایک رکعت پڑھ کر ما قبل کو جوڑا بنا لے، پھر جس قدر چاہے دو دو رکعات ادا کرے اور آخر میں وتر دوبارہ پڑھے۔

دلائل: ☆ مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوتِرُ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَفِي وَسْطِهِ، وَفِي آخِرِهِ، ثُمَّ ثَبَتَ لَهُ الْوِتْرُ فِي آخِرِهِ.» (حدیث:1952)

☆ سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی مرتضی، سیدنا عمار، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات کا خلاصہ ہے کہ اگر کوئی شخص وتر ادا کر کے سوئے، پھر رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا چاہے تو ایک رکعت ادا کر کے پہلے والی رکعات کو جوڑا بنا لے، پھر نوافل ادا کرنے کے بعد دوبارہ وتر پڑھے۔

(دیکھیے حدیث:1956 تا 1963) سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے الفاظ ہیں:

«مَنْ أَوْتَرَ، فَبَدَا لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَشْفَعْ إِلَيْهَا بِأُخْرَى حَتَّى يُوتِرَ بَعْدُ.» (حدیث:1961)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وتر کے بعد نوافل ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اِس سے وتر باطل نہیں ہوتے۔

وتر کے بعد نوافل ادا کرنے پر دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْوِتْرِ، قَرَأَ فِيهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ.» (حدیث:1964 ومثلہ فی حدیث:1634)

نیز سیدنا انس اور سیدنا ابو اُمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد دو نفل ادا کرتے تھے۔(حدیث:1965و1966)

نوٹ: مذکورہ بالا روایات میں وتر کے بعد جن دو رکعات کو بیٹھ کر ادا کرنے کا ذکر ہے، اُن سے نوافل ہی مراد ہیں، سنتِ فجر مراد لینا درست نہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس پر دو طرح سے استدلال کیا ہے:

1) حضرت سعد بن ہشام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ ﷺ کی رات کی نماز سے متعلق دریافت کیا تھا۔ ضروری ہے کہ جواب میں اُم المؤمنین نے رات کی ہی نماز ذکر کی ہو۔

2) بلا عذر سنتِ فجر بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہی نہیں۔

3) نیز محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ اِن احادیث میں طویل قراءت کا ذکر ہے، جب کہ آپ ﷺ سنتِ فجر میں بہت خفیف قراءت کرتے تھے۔

☆ سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دورانِ سفر اِرشاد فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا السَّفَرَ جَهْدٌ وَثِقَلٌ، إِذَا أَوْتَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ، وَإِلَّا كَانَتَا لَهٗ.» (حدیث:1967)

یہ سفر مشقت اور بوجھ ہے، جب تم میں سے کوئی وتر ادا کرے تو دو رکعات ادا کرلے، اگر وہ (رات کو صلاۃ اللیل کے لیے) بیدار رہا تو بہت خوب، ورنہ یہ دو رکعات قیام اللیل سے کافی ہوں گی۔

نوٹ: صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا بہتر ہے، اس کی پہلی رکعت میں اِذَا زُلْزِلَت، دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْن پڑھنا بہتر ہے۔“ (بہار شریعت، ج:1، ص:658)

وتر میں تکرار نہ ہونے پر دلائل: درج ذیل احادیث میں تصریح ہے کہ ایک رات میں دوبار وتر ادا کرنا درست نہیں:

☆ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زینتِ بزم کائنات ﷺ نے فرمایا: «لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ.» (حدیث:1969)

☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ”آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟“ اُنھوں نے عرض کی: ”رات کے آغاز میں، عشا کے بعد۔“ فرمایا: «أَخَذْتَ بِالْوُثْقٰى.» پھر آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ”آپ وتر کب ادا کرتے ہیں؟“ اُنھوں نے عرض کی: ”رات کے آخر میں۔“ فرمایا: «أَخَذْتَ بِالْقُوَّةِ.» (حدیث:1972)

اِس حدیث میں تصریح ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتر کے بعد نوافل پڑھتے تھے اور وتر دوبارہ نہیں پڑھتے تھے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عائذ بن عمر، سیدنا عمار، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کا خلاصہ ہے کہ ایک رات میں دو مرتبہ وتر ادا کرنا درست نہیں اور وتر کے بعد نوافل پڑھنے سے وتر باطل نہیں ہوتے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثال کے ذریعے سمجھاتے ہوئے فرمایا: «لَوْ جِئْتُ بِثَلَاثِ أَبْعِرَةٍ فَأَنَخْتُهَا، ثُمَّ جِئْتُ بِبَعِيرَيْنِ فَأَنَخْتُهُمَا، أَلَيْسَ كَانَ يَكُونُ ذٰلِكَ وِتْرًا؟» (حدیث:1977)

وجہ ترجیح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے، کیونکہ اِسے رسول اللہ ﷺ کے عمل اور قول سے تائید حاصل ہے۔ آپ ﷺ وتر کے بعد دو رکعات ادا کرتے تھے (حدیث:1964، 1965، 1966) اور اِس کا حکم بھی فرمایا۔ (حدیث:1967)

نظر طحاوی: قول اول کے مطابق جو شخص سونے سے پہلے وتر ادا کرلے وہ بیدار ہونے کے بعد ایک رکعت کے ذریعے اُنھیں جفت بنائے گا، یہ بات نظر کے بھی خلاف ہے۔ بالاتفاق وتر کے علاوہ کسی بھی نماز کی چند رکعات میں نیند، عمل اور کلام کے ذریعے فاصلہ کرنا صحیح نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ وتر کا بھی یہی حکم ہو۔

روایتِ مولی المسلمین: سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مذکور ہوا کہ آپ ﷺ نماز وتر رات کے آخر میں ادا کرتے۔ اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وتر کے بعد نوافل ادا نہیں کرتے تھے، ممکن ہے کہ رات کے آخر میں وتر ادا کرنے کے بعد طلوع فجر سے پہلے نوافل پڑھتے ہوں۔

قولِ سیدنا عمار: سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «فَإِنِّي أُوتِرُ بِلَيْلٍ بِخَمْسِ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَرْقُدُ، فَإِذَا قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ شَفَعْتُ.» (حدیث:1960) اِس میں «شَفَعْتُ» سے مراد ہے: جب میں رات کو بیدار ہوتا ہوں تو دو دو رکعات ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ حدیث:1975 سے واضح ہے۔

قولِ سیدنا ابوہریرہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص رات کے آغاز میں وتر ادا کرلے، پھر سوجائے، پھر بیدار ہو تو اُسے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: «يُتِمُّهَا عَشْرًا.» (حدیث:1963) اِس کا جواب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اِس کے برعکس بھی منقول ہے۔ (حدیث:1977) جب آپ کی روایت میں تعارض ہے تو اُس سے استدلال درست نہیں۔

باب القراءۃ فی صلاۃ اللّیل کیف ھی

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ رات کی نماز میں آہستہ آواز سے قراءت کرنا درست ہے یا مکروہ۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رات کی نماز میں سرّی قراءت مکروہ ہے۔

دلیل: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَيُسْمِعُ قِرَاءَتَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحُجَرِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ.»

(حدیث:1979)

نیز اِس کی مثل سیدہ اُم ہانی فاختہ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے۔(حدیث:1980)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رات کے نوافل میں جہر ضروری نہیں۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر رات کے نوافل تنہا ادا کیے جائیں تو اختیار ہے کہ جہراً قراءت کرے خواہ سرّاً، جماعت سے ادا کیے جائیں تو جہر واجب ہے۔(ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:545)

دلیل: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ قِرَاءَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ - يَعْنِي بِاللَّيْلِ - يَرْفَعُ طَوْرًا، وَيَخْفِضُ طَوْرًا.»

(حدیث:1982)

جواب: سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدہ اُمّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ باآوازِ بلند قراءت فرماتے، اُن میں آہستہ آواز سے تلاوت کی نفی نہیں ہے، جب کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تفصیل ہے، لہٰذا وہ راجح ہے۔

باب جمع السور فی رکعۃ

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ ایک رکعت میں ایک سے زیادہ سورتوں کی تلاوت جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک رکعت میں ایک ہی سورت مبارکہ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ ایک سے زیادہ پڑھنا مناسب نہیں۔

دلائل: ☆ حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا کہ اُنھوں نے صاحبِ قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لِكُلِّ سُورَةٍ رَكْعَةٌ.» (حدیث:1986)

☆ ایک شخص نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: ”میں نے ایک رکعت میں یا ایک رات میں تمام مفصّلات کی تلاوت کی ہے۔“ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَوْ شَاءَ لَأَنْزَلَهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً، وَلَكِنْ فَصَّلَهُ لِتُعْطَى كُلُّ سُورَةٍ حَظُّهَا مِنَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ.» (حدیث:1988)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا جائز ہے، اِس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز ایک رکعت میں کسی سورت کا کچھ حصہ پڑھنا بھی درست ہے۔

دلائل: ☆ حضرت عبد اللہ بن شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: ”کیا رسول اللہ ﷺ سورتوں کو جمع فرماتے تھے؟“ اُنھوں نے فرمایا: ”مفصلات کو جمع فرماتے تھے۔“ (حدیث:1989)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

« لَقَدْ عَلِمْنَا النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ عِشْرِينَ سُورَةً، "الرَّحْمٰنُ"، "وَالنَّجْمِ" - عَلٰى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - كُلَّ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ، وَذَكَرَ الدُّخَانَ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ فِي رَكْعَةٍ.» (حدیث:1990)

یعنی ہمیں وہ ہم مثل بیس سورتیں معلوم ہیں، رسول اللہ ﷺ جنھیں پڑھتے تھے، دو دو سورتیں ایک رکعت میں جمع فرماتے تھے۔

نوٹ: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "إِنَّمَا فُصِّلَ لِتُفَصِّلُوا" یعنی سورتوں کو جدا جدا نازل کیا گیا ہے تاکہ تم اِنھیں جدا جدا کرو۔ اِس سے قول اول پر اِستدلال درست نہیں، کیونکہ یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے، اُنھوں نے اِسے سرکار دوعالم ﷺ سے نقل نہیں کیا۔ نیز سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اِس کے معارض ہے، وہ ایک رکعت میں پورے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ (حدیث:1708)

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلمات بغیر تدبر تیز تیز قرآن کریم پڑھنے کی نفی کے لیے فرمائے ہیں، نہ کہ ایک سے زیادہ سورتوں کو جمع کرنے کی نفی کے لیے۔ (راقم)

☆ رازدارِ رسول سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«صَلَّيْتُ إِلٰى جَنْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا اسْتَفْتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَكَانَ إِذَا أَتٰى عَلَى آيَةٍ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ وَقَفَ فَسَأَلَ أَوْ تَعَوَّذَ، أَوْ قَالَ: كَلَامًا هٰذَا مَعْنَاهُ.» (حدیث:1996)

☆ متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک رکعت میں سورت کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا۔ (حدیث:1997 تا 2001) معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں ایک سورت ہونا متعین نہیں اور حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ والی حدیث سے وہ معنی مراد نہیں جو قول اول میں اختیار کیا گیا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے طویل قیام کو نماز کا افضل ترین رکن قرار دیا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ ایک رکعت میں متعدد سورتوں کی تلاوت کی جائے۔

☆ سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت متعدد اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ وہ بعض اوقات ایک رکعت میں سورت کا کچھ حصہ تلاوت کرتے تھے، نیز بعض اوقات ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث:2005 تا 2011)

وجہ ترجیح: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول راجح ہے، کیونکہ اکثر احادیث اِس کی مؤید ہیں، نیز اکثر صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اِسے ہی اختیار کیا ہے۔

نظر طحاوی: بالاتفاق سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت پڑھی جاتی ہے اور فاتحہ کے لیے الگ رکعت ضروری نہیں۔ نظر کا تقاضا ہے کہ دیگر سورتوں کا بھی یہی حکم ہو اور اُن کے ساتھ بھی مزید کوئی سورت ملانا درست ہو۔

روایتِ سیدنا ابن عمر کا جواب: حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْمَعُ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ.»

(حدیث:2002)

عملِ مذکور اُن کی روایت کے معارض ہے؛ لہٰذا اُس سے استدلال درست نہیں۔

باب القیام فی شهر رمضان هل هو فی المنازل أفضل أم مع الإمام

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے، جب کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحب ہے۔ پھر جماعت کے حکم میں اُن کا اختلاف درج ذیل ہے:

پہلا قول: شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تراویح کی جماعت سنتِ عین ہے، یعنی تمام مَردوں کے لیے باجماعت ادا کرنا سنت ہے۔ موالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تراویح کی جماعت مستحب ہے۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تراویح کی جماعت سنتِ کفایہ ہے اور مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”تراویح میں جماعت سنتِ کفایہ ہے، کہ اگر مسجد کے سب لوگ چھوڑ دیں گے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر کسی ایک نے گھر میں تنہا پڑھ لی تو گناہ گار نہیں، مگر جو شخص مقتدا ہو کہ اُس کے ہونے سے جماعت بڑی ہوتی ہے اور چھوڑ دے گا تو لوگ کم ہو جائیں گے، اُسے بلا عذر جماعت چھوڑنے کی اِجازت نہیں۔“ مزید لکھا: ”تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے، اگر گھر میں جماعت سے پڑھی تو جماعت کے ترک کا گناہ نہ ہوا مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو مسجد میں پڑھنے کا تھا۔“ مزید فرمایا: ”اگر عالم حافظ بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ خود پڑھے دوسرے کی اقتدا نہ کرے۔“ (بہار شریعت، ج:1، ص:691)

دلائل: ☆ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ قیام نہیں کیا حتی کہ ماہِ رمضان کی سات راتیں باقی رہ گئیں۔ جب تیئیسویں رات تھی تو آپ ﷺ نے تشریف لا کر ہمیں نماز پڑھائی، یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گزر گیا، پھر آپ ﷺ نے چوبیسویں رات کو نماز نہیں پڑھائی، حتی کہ پچیسویں رات تشریف لا کر

ہمیں نماز پڑھائی، یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی۔ ہم نے عرض کی: ''یارسول اللہ، کاش! آپ ہمیں مزید نوافل پڑھائیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا صَلَّوْا مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُمْ قِيَامُ تِلْكَ اللَّيْلَةِ.»

پھر آپ ﷺ نے ہمیں چھبیسویں رات نماز نہیں پڑھائی، حتی کہ ستائیسویں رات اپنے اہل کے ہمراہ تشریف لائے تو ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ سحری فوت ہو جائے گی۔ (حدیث:2013)

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے خوش خبری عطا فرمائی کہ اِمام کے ساتھ قیام کرنے پر رات بھر عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

☆ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی جماعت شروع کرائی۔ بعد والے خلفا اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اِسی پر عمل رہا۔

دوسرا قول: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تنہا تراویح ادا کرنا باجماعت پڑھنے سے افضل ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِسے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چٹائی سے مسجد شریف میں حجرہ بنایا، آپ ﷺ نے اُس میں چند راتیں نماز ادا کی، حتی کہ آپ کے پاس افراد جمع ہو گئے، پھر اُنھوں نے آپ ﷺ کی آواز نہ سنی تو گمان کیا کہ آپ آرام فرما ہوں گے، تو بعض لوگ کھانسنے لگے تا کہ آپ ﷺ اُن کی طرف تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ مُنْذُ اللَّيْلَةِ، حَتّٰى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ قِيَامُ اللَّيْلِ، وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهِ، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ، فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ.» (حدیث:2014)

نیز سیدنا کعب بن عُجرہ اور سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ ﷺ سے یہ مفہوم روایت

کیا کہ فرائض کے علاوہ نمازیں گھر میں ادا کرنا افضل ہے۔(حدیث:1949و1950)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نیز حضرات ابراہیم نخعی، عروہ، سعید بن جُبیر، سالم اور نافع وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ تراویح تنہا ادا کرتے تھے۔

روایتِ سیدنا ابوذر کا جواب: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اُن کی حدیث میں اِمام کے ساتھ تراویح ادا کرنے کی فضیلت کا بیان ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ افضل ہے، جب کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گھر میں ادائیگی مسجد میں ادا کرنے سے زیادہ فضیلت والی ہے۔جب رسول اللہ ﷺ کی اِقتدا میں مسجد نبوی کے اندر تراویح ادا کرنے سے گھر میں ادا کرنا افضل ہے تو دیگر مساجد میں کسی اور کی اِقتدا کرنے سے گھر میں پڑھنا بدرجہ ٔاولیٰ افضل ہے۔

جمہور کی طرف سے جوابات: احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ بعض نوافل «فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ» سے مستثنیٰ ہیں: مثلاً: تراویح، تحیۃ المسجد، سفر سے واپسی کے دو نفل، اِحرام کا دوگانہ، طواف کا دوگانہ، معتکف کے نوافل، سورج گرہن کی نماز۔(ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:668) اِسی طرح نمازِ تراویح بھی مستثنیٰ ہے۔آپ ﷺ نے خود جماعت اِس لیے نہ کرائی کہ قیام اللیل فرض ہوجانے کا خدشہ تھا، دیگر کی جماعت میں یہ خدشہ نہیں ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ کا عمل اُن کے اجتہاد پر مبنی تھا، جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم باجماعت ادا کرتے تھے۔

نیز احناف کے نزدیک تراویح کی جماعت سنتِ کفایہ ہے؛ لہٰذا قرّاءِ کرام کا اِسے تنہا ادا کرنا سنت کے خلاف نہیں، بلکہ عالم وحافظ کے لیے خود تلاوت کرنا ہی افضل ہے۔

باب المفصّل هل فيه سجود أم لا

آیاتِ سجدہ کی تعداد اور مقامات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔ نیز اِس بات میں بھی اختلاف ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آیاتِ سجدہ گیارہ ہیں۔ سورۂ نجم، سورۂ انشقاق اور سورۂ علق کی آیات پر سجدہ واجب نہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«عَرَضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ "النَّجْمِ" فَلَمْ يَسْجُدْ أَحَدٌ مِنَّا.» (حدیث:2027)

☆ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے سید القرّا سیدنا ابیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ”کیا مفصّلات میں سجدہ ہے؟“ اُنھوں نے فرمایا: ”نہیں۔“ (حدیث:2038)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ مکہ شریف میں مفصّلات میں سجدہ کرتے تھے، جب مدینہ پاک تشریف لائے تو ترک فرمادیا۔ نیز حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سجدہ ہائے تلاوت کے بارے پوچھا تو اُنھوں نے مفصّلات کو شمار نہیں کیا۔ (حدیث:2062)

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ نجم کی آیت:62 پر، اِسی طرح سورۂ انشاق کی آیت:21 اور سورۂ علق کی آیت:19 پر سجدہ واجب ہے۔

سورۂ نجم میں سجدہ پر دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابو درداء اور سیدنا مُطلب بن ابو وَداعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم روای ہیں کہ آپ ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا۔ (دیکھیے حدیث:2031 تا 2037) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ "وَالنَّجْمِ" فَسَجَدَ فِيهَا. فَلَمْ يَبْقَ أَحَدٌ إِلَّا سَجَدَ إِلَّا شَيْخٌ كَبِيرٌ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَقَالَ: هٰذَا يَكْفِينِي. قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا.» (حدیث:2031)

☆ سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدنا علی، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ وہ سورۂ نجم میں آیت سجدہ کی تلاوت پر سجدہ کرتے تھے۔ (حدیث:2043 تا2060)

سورۂ انشقاق وعلق میں سجدہ پر دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثیر اسانید کے ساتھ مروی ہے کہ اُنھوں رسول اللہ ﷺ کو سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ کرتے دیکھا۔ (حدیث:2063 تا2067)

☆ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے سورۂ انشقاق اور سورۂ علق میں سجدہ کیا اور فرمایا: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْجُدُ فِيهِمَا.» (حدیث:2077)

وجوہ ترجیح: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف کی وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں:

1) قول ثانی کے تحت مذکور احادیث میں سجدہ کا اِثبات ہے اور قول اول والی احادیث میں نفی ہے۔ ایسا تو ہوسکتا ہے کہ محل سجدہ میں کسی عارضہ کے سبب سجدہ نہ کیا جائے، مگر ایسا ممکن نہیں کہ غیر محل میں سجدہ کیا جائے۔ یعنی سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات میں احتمال ہوسکتا ہے، جب کہ قول ثانی والی روایات میں کوئی دوسرا احتمال نہیں تو یہ راجح ہیں۔

2) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سجدہ کرتے تھے اور اُن کے بارے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: «إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ عَامٍ. قَالَ:

أُرَاهُ قَالَ: فِي كُلِّ شَهْرِ رَمَضَانَ. فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ عَرَضَهُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ، فَشَهِدَ عَبْدُ اللهِ مَا نُسِخَ وَمَا بُدِّلَ. » (حدیث:2061)

نظر طحاوی: قرآن پاک کے دس مقامات میں سجدہ پر اتفاق ہے: سورۂ اعراف، سورۂ رعد، سورۂ نحل، سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ مریم، سورۂ حج، سورۂ فرقان، سورۂ نمل، سورۂ سجدہ، سورۂ حم السجدہ۔ اِن میں سے کسی مقام میں بھی "امر" نہیں، تمام مقامات میں "خبر" ہے۔ جبکہ {يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ} [آل عمران:43] اور {فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السّٰجِدِيْنَ} [الحجر:98] میں "امر" ہے اور بالاتفاق اِن میں سجدہ نہیں۔ معلوم ہوا جہاں "خبر" ہو وہاں سجدہ واجب ہوتا ہے اور جہاں "امر" و تعلیم ہو وہاں واجب نہیں ہوتا۔ سورۂ نجم اور سورۂ علق میں "امر" ہے، اِرشاد ہوا: {فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا} [النجم:62]، {كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ} [العلق:19] نظر کا تقاضا ہے کہ اِن سورتوں میں سجدہ نہ ہو، مگر ہم نے احادیث پر عمل کرتے ہوئے سجدہ کو واجب قرار دیا۔

البتہ سورۂ انشقاق میں "خبر" ہے۔ اِرشاد ہے: {وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُوْنَ} [الانشقاق:21] نظر کا تقاضا ہے کہ یہاں سجدہ واجب ہو۔

روایاتِ سیدنا زید بن ثابت و سیدنا اُبیّ بن کعب کا جواب:

سیدنا زید بن ثابت اور ابیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا کہ سورۂ نجم میں سجدہ نہیں۔ اِن روایات سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اِس موقع پر سجدہ نہ کرنے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں: 1) اُس وقت وضو شریف نہیں تھا۔ 2) وہ وقتِ مکروہ تھا۔ 3) سجدۂ تلاوت واجب نہیں، یعنی بیان جواز کے لیے ترک فرمایا۔ 4) یہ آیت آیات سجدہ سے نہیں۔ جب متعدد احتمالات ہیں تو عدم وجوب پر استدلال درست نہیں۔

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اُس وقت سجدہ نہ کیا ہو، بعد میں کیا ہو۔ (راقم)

روایت سیدنا ابن عباس کا جواب: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہوا کہ آپ ﷺ مکہ شریف میں مفصّلات میں سجدہ کرتے تھے، جب مدینہ پاک تشریف لائے تو ترک فرمادیا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس کے درج ذیل جوابات رقم کیے ہیں:

1) اِس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے۔

2) اگر سند ثابت ہو تو بھی باطنی طور پر معلول ہے، کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کثیر اسانید کے ساتھ ثابت ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مفصّلات میں سجدہ کرتے دیکھا۔ (دیکھیے حدیث: 2063 تا 2067) جب کہ وہ وصال اقدس سے صرف تین سال پہلے اسلام لائے۔

(رقم: 2542)

سجدۂ تلاوت کا فقہی حکم

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے مفتی بہ قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا کہ واجب نہیں، مستحب ہے۔ عدم وجوب پر دلائل درج ذیل ہیں:

☆ حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کے دن منبر شریف پر سورۂ سجدہ کی تلاوت فرمائی تو منبر سے اُتر کر سجدہ کیا اور سامعین نے بھی سجدہ کیا۔ پھر دوسرے جمعہ کو بھی اِس کی تلاوت فرمائی تو سامعین سجدہ کے لیے تیار ہوئے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«عَلٰى رِسْلِكُمْ، إِنَّ اللهَ لَمْ يَكْتُبْهَا عَلَيْنَا إِلَّا أَنْ نَشَآءَ.»

چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس کی تلاوت فرمائی اور سجدہ نہیں کیا اور سامعین کو بھی سجدہ سے روک دیا۔ (حدیث: 2040)

نیز سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال بھی اِس بات پر صریح ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔ (حدیث: 2041، 2042)

نظر طحاوی: بالاتفاق اگر کوئی شخص سواری پر آیتِ سجدہ پڑھے تو اُس پر سجدہ کرنا لازم نہیں، اِشارہ بھی کر سکتا ہے۔ سواری پر نوافل ہی کی ادائیگی ہو سکتی ہے، فرض وواجب کی نہیں۔ نظر کا تقاضا ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہ ہو۔

سجدۂ تلاوت واجب ہونے پر دلائل: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے راجح قول کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجوب پر دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھا:

آیاتِ سجدہ میں سے کچھ وہ ہیں جن میں امر ہے، اور امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ کچھ وہ ہیں جن میں کفار کے سجدہ سے تکبر کرنے کا ذکر ہے؛ لہٰذا اُن کی مخالفت کرتے ہوئے سجدہ ضروری ہے۔ کچھ وہ ہیں جن میں اِطاعت گزاروں کے خشوع وسجدہ کا ذکر ہے؛ لہٰذا اُن کی اتباع میں سجدہ کرنا لازم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ} [الأنعام:90]

نیز اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے پر بعض لوگوں کی مذمت فرمائی، اِرشاد ہے: {وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُونَ} [الانشقاق:21] اور مذمت کا استحقاق واجب ترک کرنے پر ہی ہو سکتا ہے۔

(نخب الافکار، ملخصا)

مولی المسلمین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:

«إِنَّ عَزَائِمَ السُّجُودِ "الٓمٓ o تَنْزِيل"، وَ"حٰمٓ"، وَ"النَّجْمِ"، وَ"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ".»

(حدیث:2043)

اِس میں "عَزَائِم" کا لفظ وجوب پر صریح ہے۔

رِوایاتِ صحابہ سے استدلال کا جواب: علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ ہمارا موقف اُس کے خلاف نہیں، اُنھوں نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَمْ يَكْتُبْهَا عَلَيْنَا» (اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض نہیں کیا)۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ بھی فرضیّت کے قائل نہیں، وجوب کے قائل ہیں۔

سیدنا سلمان اور سیدنا عبد اللہ بن زُبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آثار کا جواب یہ ہے کہ اُنھوں نے وقتِ مکروہ، یا وضو نہ ہونے وغیرہ کے سبب سجدہ نہیں کیا، نہ یہ کہ وہ واجب نہیں سمجھتے تھے۔ (نخب الافکار، ملخصًا)

سورۂ ''ص'' اور سورۂ ''حج'' میں سجدہ

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سورۂ ص میں سجدہ واجب ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے۔ (حدیث:2090) نیز نظر کا تقاضا بھی یہی ہے۔

سورۂ حج میں احناف کے نزدیک ایک ہی سجدہ واجب ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہی موقف ہے۔ (حدیث:2095) نیز نظر کا تقاضا بھی یہی ہے۔

باب الرجل يصلّى فى رحله ثم يأتى المسجد والناس يصلّون

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی جماعت سے پہلے نمازِ فجر، عصر یا مغرب ادا کرلے تو اُس کے لیے جماعت میں شامل ہونا جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی شخص جماعت سے پہلے فرائض ادا کرلے، پھر جماعت میسر ہو تو وہ جماعت میں نفل کے طور شامل ہو جائے، خواہ پنج گانہ میں سے کوئی بھی نماز ہو۔

دلائل: ☆ سیدنا مِحجن بن ابی مِحجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے اِقامت کے بعد بیٹھے دیکھا۔ نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: ”کیا تم مسلمان نہیں؟“ میں نے عرض کیا: ”کیوں نہیں؟“ فرمایا: ”تمھیں ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے سے کس چیز نے روکا؟“ عرض کیا: ”میں نے اپنے اہل کے ساتھ نماز ادا کرلی تھی۔“ فرمایا:

«صَلِّ مَعَ النَّاسِ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَ أَهْلِكَ.»(حدیث:2096)

نیز سیدنا ابوذر، سیدنا یزید بن اسود سُوائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اِس کی مثل نقل کیا۔(حدیث:2101و2104)

دوسرا قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کوئی شخص جماعت سے پہلے فرض ادا کرلے، پھر جماعت میسر ہو تو وہ جماعت میں نفل کے طور شامل ہو جائے، سوائے نماز مغرب کے۔ جب کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ صورت میں صرف ظہر اور عصر میں بطورِ نفل شرکت کر سکتا ہے، فجر، عصر اور مغرب میں شریک نہیں ہو سکتا۔

دلائل: ☆ حضرت ناعم بن اُجیل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«كُنْتُ أَدْخُلُ الْمَسْجِدَ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ، فَأَرَى رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

جُلُوسًا فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ، وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ فِيهِ، قَدْ صَلَّوْا فِي بُيُوتِهِمْ.» (حدیث:2105)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

«إِنْ صَلَّيْتَ فِي أَهْلِكَ ثُمَّ أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّهَا إِلَّا الصُّبْحَ وَالْمَغْرِبَ، فَإِنَّهُمَا لَا يُعَادَانِ فِي يَوْمٍ.» (حدیث:2106)

☆ مغرب ادا کرنے کے بعد جماعت میں شرکت اِس لیے جائز نہیں کہ مغرب کی تین رکعات ہیں اور نوافل کی تین رکعات نہیں ہو سکتیں۔ اِسی طرح فجر اور عصر ادا کرنے کے بعد بھی جماعت میں شرکت درست نہیں، کیونکہ مذکورہ اوقات میں نوافل کی اِجازت نہیں۔ (حدیث:883 تا 891)

جواب: جن احادیث میں فرائض ادا کر لینے والے شخص کو جماعت میں شرکت کا حکم دیا گیا وہ منسوخ ہیں۔ یہ روایات دو قسم کی ہیں:

1) کچھ احادیث میں تصریح ہے کہ یہ باجماعت نماز نفل ہو گی۔ (حدیث:2101 و 2104) جب کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد غروب شمس تک اور فجر کے بعد طلوع شمس تک نوافل ادا کرنے سے منع فرمایا۔ (حدیث:883 تا 891) اگر کوئی شخص فجر یا عصر ادا کرنے کے بعد جماعت میں بطورِ نفل شامل ہوتا ہے تو وہ ایسے وقت میں نوافل ادا کر رہا ہے جس میں نفل کی اجازت نہیں۔

2) بعض احادیث میں تصریح نہیں کہ یہ باجماعت نماز نفل ہو گی۔ اِن میں احتمال ہے کہ یہ حکم اُس وقت فرمایا ہو جب فرض دو مرتبہ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ بعد میں فرض کو دو مرتبہ ادا کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (حدیث:1834 و 1836)

بہر صورت جماعت میں شرکت کے حکم والی روایات مطلق نہیں، فقط ظہر اور عشا سے متعلق ہیں۔

باب الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة والإمام يخطب، هل ينبغي له أن يركع أم لا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران مسجد میں حاضر ہونے والے شخص کے لیے تحیّۃ المسجد ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن دوران خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے مستحب ہے کہ اختصار کے ساتھ **تحیّۃ المسجد** ادا کرے۔

دلائل: ☆ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات کا خلاصہ ہے کہ جمعہ کے دن سیدنا سُلیک غَطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ خطبہ اِرشاد فرمارہے تھے۔ وہ تحیۃ المسجد ادا کیے بغیر بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا سُلَيْكُ، فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، تَجَوَّزْ فِيهِمَا.» (حدیث:2112)

سیدنا ابو سعید اور خود سیدنا سُلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔(حدیث:2114،2113)

☆ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ.» (حدیث:2138)

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اِس کی مثل نقل کیا۔(حدیث:2141)

دوسرا قول: امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن دورانِ خطبہ مسجد میں داخل ہونے والے کے لیے **تحیّۃ المسجد** ادا کرنا جائز نہیں۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”جب امام خطبہ

کے لیے کھڑا ہوا اُس وقت سے ختمِ نماز تک نماز و اذکار اور ہر قسم کا کلام منع ہے، البتہ صاحب ترتیب اپنی قضا نماز پڑھ لے۔ یونہی جو شخص سنت یا نفل پڑھ رہا ہے جلد جلد پوری کر لے۔"

مزید لکھا: "جو چیزیں نماز میں حرام ہیں مثلاً کھانا پینا، سلام و جواب سلام وغیرہ یہ سب خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہیں یہاں تک کہ امر بالمعروف، ہاں! خطیب امر بالمعروف کر سکتا ہے۔ جب خطبہ پڑھے تو تمام حاضرین پر سننا اور چپ رہنا فرض ہے۔" (بہار شریعت، ج:1، ص:774)

دلائل: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوران خطبہ نوافل کی ممانعت پر متعدد احادیث مرفوعہ اور موقوفہ و مقطوعہ نقل کی ہیں۔

احادیث مرفوعہ: ☆ سیدنا عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص جمعہ کے دن گردنیں پھلانگتا ہوا آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَآنَيْتَ.» (حدیث:2115)

☆ آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران ہر طرح کی گفتگو سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ: أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ.» (حدیث:2116)

اِسی طرح حدیث:2119 تا 2128 میں بھی دوران خطبہ کلام کی ممانعت ہے۔

احادیث موقوفہ: ☆ سیدنا عُقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«الصَّلَاةُ وَالْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ مَعْصِيَةٌ.» (حدیث:2132)

☆ سیدنا ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ جُلُوسَ الْإِمَامِ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَكَلَامَهُ يَقْطَعُ الْكَلَامَ...» (حدیث:2133)

☆ ہشام بن عروہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ کے دوران سیدنا عبد اللہ بن صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو بغیر تحیۃ المسجد ادا کیے بیٹھ گئے۔ (حدیث:2134)

اس موقع پر موجود صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے بھی اُن پر انکار نہ کیا۔

☆ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«كَانَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ يَكْرَهَانِ الْكَلَامَ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.» (حدیث:2136)

احادیث مقطوعہ: حضرت عامر شعبی، قاضی شُریح، حضرت ابن شہاب زُہری، حضرت ابو قلابہ عبد اللہ بن زید، حضرت علقمہ اور حضرت مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے دوران خطبہ نماز کی ممانعت منقول ہے۔

نظرِ طحاوی: بالاتفاق ممنوع اوقات میں جس طرح پہلے سے مسجد میں موجود شخص کے لیے نماز پڑھنا ناجائز ہے، اِسی طرح اُس وقت مسجد میں آنے والے کے لیے بھی نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ اِس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص پہلے سے مسجد میں موجود ہے اُس کے لیے دوران خطبہ نوافل ادا کرنا جائز نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ جو شخص دوران خطبہ مسجد میں داخل ہوا اُس کے لیے بھی نوافل کی اجازت نہ ہو۔

حدیثِ سیدنا سُلیک کے جوابات: قول اول کے تحت مذکور حدیث پاک کے متعدد جوابات ہیں:

1) آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے لوگوں کو مسجد میں داخل ہونے کے آداب تعلیم فرمانے کے لیے خطبہ موقوف فرمایا اور سیدنا سُلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحیۃ المسجد کا حکم فرمایا؛ لہٰذا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا حکم فرمانا اور اُن کا نماز ادا کرنا خطبہ کے دوران نہیں تھا۔

2) ممکن ہے کہ یہ حکم دورانِ خطبہ ہی ہو، مگر اُس وقت نماز اور خطبہ میں کلام کی اجازت تھی، جس سے بعد میں منع فرمادیا گیا۔ یعنی دوران خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ اس پر درج ذیل اُمور قرینہ ہیں:

I. آپ ﷺ نے دورانِ خطبہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صدقہ کا حکم فرمایا اور اُنھوں نے دوران خطبہ ہی اُن پر صدقہ کیا۔ (حدیث:2114) حالانکہ بالاتفاق دوران خطبہ کپڑا اُتارنا، کنکریاں چھونا، حتیٰ کہ دوسرے کو خاموش ہونے کا کہنا بھی درست نہیں۔ (حدیث:2116)

II. آپ ﷺ نے اُنھیں دوران خطبہ نماز کا حکم فرمایا، حالانکہ جس طرح مقتدی کو خطبہ میں کلام کی اجازت نہیں اِسی طرح امام کو خطبہ سے غیر متعلق کلام کی اجازت نہیں۔

3) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے حضرت سُلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت ظاہر کرنے کے لیے اُنھیں نماز کا حکم دیا، تاکہ لوگ اُن پر صدقہ کریں۔

4) علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: أَن النَّبِي ﷺ كلم سليكا وَقَالَ لَهُ: قُم فصل، فَلَمَّا كَلمه وَأمره سقط عَنهُ فرض الِاسْتِمَاع. (عمدۃ القاری) یعنی تحیۃ المسجد کی ممانعت اِس لیے ہے کہ خطبہ سننا ضروری ہے، جب آپ ﷺ نے اُنھیں نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا تو اُن سے سننے کا حکم ساقط ہو گیا؛ لہٰذا اِس حدیث کا مبحث سے تعلق ہی نہیں۔

حدیثِ سیدنا ابوقتادہ کا جواب: سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں تحیۃ المسجد کا حکم اُس شخص کے لیے ہے جو غیر مکروہ وقت میں مسجد میں داخل ہو۔ جیسے طلوع یا غروب یا استوائے شمس کے وقت مسجد میں آنے والا اِس حدیث سے خارج ہے، اِسی طرح دوران خطبہ آنے والا بھی خارج ہے۔

باب الرجل يدخل المسجد والإمام في صلاة الفجر ولم يكن ركع، أيركع أو لا يركع

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ جس شخص نے سنتِ فجر ادا نہ کی ہوں اور جماعت کے دوران مسجد میں پہنچے تو کیا وہ پہلے سنتیں ادا کرے گا یا آتے ہی جماعت میں شامل ہو گا۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس شخص نے سنتِ فجر ادا نہ کی ہوں اور جماعت کے دوران مسجد میں پہنچے وہ جماعت میں شامل ہو گا اور اِس وقت سنتیں ادا نہیں کرے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جماعت مسنونہ قائم ہونے کی صورت میں فرض نماز کے علاوہ کوئی بھی نماز ادا کرنا حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جماعت قائم ہونے کے بعد نوافل بشمول سنتِ فجر ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جانِ عالم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ.» (حدیث:2142)

جب نماز کے لیے اِقامت شروع ہو جائے تو کوئی نماز نہیں سوائے فرض نماز کے۔

نیز آپ نے ہی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا:

«إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الَّتِي أُقِيمَتْ لَهَا.» (حدیث:2145)

☆ سیدنا عبد اللہ بن مالک المعروف ابن بُحَینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نمازِ فجر کے لیے اِقامت کہی گئی، سیدِ سروراں ﷺ ایک شخص کے پاس تشریف لائے جو سنتِ فجر ادا کر رہا تھا۔ آپ ﷺ اُس کے پاس

کھڑے ہوگئے اور لوگ بھی اُس کے گرد جمع ہوگئے، تو آپ ﷺ نے تین بار اِرشاد فرمایا: «أَتُصَلِّيهَا أَرْبَعًا» (کیا تم نمازِ فجر کی چار رکعات پڑھتے ہو؟) (حدیث:2146)

☆ سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا، اُس وقت رسول اللہ ﷺ نمازِ فجر ادا فرمارہے تھے، اُس نے لوگوں کی (جماعت والی) صفوں سے پیچھے دو رکعات (سنتِ فجر) ادا کیں، پھر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہوگیا۔ جب آپ ﷺ نے اپنی نماز مکمل کی تو فرمایا:

«يَا فُلَانُ! أَجَعَلْتَ صَلَاتَكَ الَّتِي صَلَّيْتَ مَعَنَا أَوِ الَّتِي صَلَّيْتَ وَحْدَكَ؟» (حدیث:2153)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک فجر کی جماعت کھڑی ہوچکی ہو اور آنے والے کا غالب گمان ہو کہ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت میں شامل ہو جائے گا، اگرچہ قعدہ میں شرکت ہوگی، تو وہ مسجد کے آخری حصے میں سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو۔ البتہ اگر سنتیں ادا کرنے کے سبب جماعت نکل جانے کا خدشہ ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے، سنتیں ادا کرنے کی اِجازت نہیں۔ (ملخص از بہار شریعت: ج:1، ص:456)

صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید لکھا: ”سنتِ فجر میں جماعت جانے کا خوف ہو تو صرف واجبات پر اِقتصار کرے، ثنا و تعوذ کو ترک کرے اور رکوع، سجود میں ایک ایک بار تسبیح پر اِکتفا کرے۔“

(بہار شریعت، ج:، 1، ص:546)

ایک مقام پر فرمایا: ”صف کے برابر پڑھنا جائز نہیں، بلکہ اپنے گھر پڑھے یا بیرون مسجد کوئی جگہ قابلِ نماز ہو تو وہاں پڑھے اور یہ ممکن نہ ہو تو اگر اندر کے حصہ میں جماعت ہوتی ہو تو باہر کے حصہ میں پڑھے، باہر کے حصہ میں ہو تو اندر اور اگر اس مسجد میں اندر باہر دو درجے نہ ہوں تو ستون یا پیڑ کی آڑ میں پڑھے، کہ اِس میں اور صف میں حائل ہو جائے اور صف کے پیچھے پڑھنا بھی ممنوع ہے، اگرچہ صف میں پڑھنا زیادہ بُرا ہے۔“

(بہار شریعت، ج:1، ص:665)

دلائل: امام طحاوی علیہ الرحمہ نے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔

احادیثِ مرفوعہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے متعدد احادیث میں سنتِ فجر کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے نقل کرتے ہیں:

«لَا تَتْرُكُوا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ.» (حدیث:1739)

مزید دیکھیے حدیث:1740، 1742۔ اِن احادیث کی روشنی میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا کہ سنتِ فجر واجب کے قریب ہیں، حتی الامکان اُن کے ترک سے بچنا لازم ہے۔

احادیثِ موقوفہ: ☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے منقول ہے:

«أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ، فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.» (حدیث:2158)

حدیث:2157 کے مطابق سیدنا ابوموسی اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور اُنھوں نے آپ کے اِس عمل پر انکار نہیں کیا۔

☆ ابو عثمان انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

«جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ، وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ، فَصَلَّى عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ الْإِمَامِ، ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ.»

(حدیث:2160)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سنتوں اور فرائض میں فصل (فاصلہ اور جدائی) کا حکم فرماتے تھے۔ (حدیث:2156) ابو عثمان علیہ الرحمہ کی روایت کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں سنتیں ادا کیں اور جماعت میں شامل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ آپ سمجھتے تھے سنتوں کے بعد جگہ تبدیل کر کے فرضوں میں شامل ہو جانا فصل کے لیے کافی ہے۔

☆ حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے کہتے ہیں:

«أَنَّهُ جَاءَ وَالْإِمَامُ يُصَلِّي الصُّبْحَ، وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فَصَلَّاهُمَا فِي حُجْرَةِ حَفْصَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، ثُمَّ إِنَّهُ صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ.» (حدیث:2163)

اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرۂ پاک (سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توسیع کے بعد) مسجد میں شامل تھا۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد میں اِقامت کے بعد سنتیں ادا کیں۔

☆ ابوعبید اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے کہتے ہیں:

«أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ.» (حدیث:2164)

☆ حضرت ابوعُبید اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ سیدنا ابودرداء، سیدنا فضالہ بن عبید اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم جماعتِ فجر کے دوران مسجد میں داخل ہوتے تو کسی ستون کی آڑ میں وتر ادا کرتے (کیونکہ اُن کے نزدیک طلوعِ فجر کے بعد بھی وتر ادا کرنا جائز ہے)، پھر جماعت میں شامل ہوتے۔ (حدیث:1714)

معلوم ہوا کہ ضروری نماز، جماعت شروع ہونے کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہے اور یہ «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ.» (حدیث:2142) کے خلاف نہیں۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنتِ فجر قریب بواجب ہیں؛ لہٰذا اِنھیں بھی جماعت شروع ہونے کے بعد ادا کیا جاسکتا ہے اور یہ مذکور حدیث کے خلاف نہیں۔

احادیثِ مقطوعہ: حضرت ابوعثمان عبد الرحمٰن نہدی، خواجہ حسن بصری اور حضرت مسروق بن اجدع رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ (دیکھیے حدیث:2166 تا 2172)

نظر طحاوی: سنتِ فجر کی تاکید تمام سنتوں سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق اگر کوئی شخص گھر میں ہو اور اُسے معلوم ہو کہ جماعت کھڑی ہوچکی ہے تو وہ سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہوگا۔ نظر کا تقاضا ہے کہ مسجد میں موجود شخص کے لیے بھی یہی حکم ہو اور وہ بھی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو۔

روایاتِ سیدنا ابوہریرہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طحاوی علیہ الرحمہ نے دو روایات نقل کیں۔ پہلی روایت (حدیث:2142) کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) یہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، حدیث مرفوع نہیں۔ جیسا کہ حماد بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کی وساطت سے اِسے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ (حدیث:2144) اِس مسئلہ میں دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آرا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے مختلف ہیں۔

2) فقہائے احناف علیہم الرحمہ نے یہ بھی ذکر کیا کہ یہ حدیث عام مخصوص عنہ البعض ہے۔ جو شخص پہلے سے فرض ادا کر چکا ہو، اُس کے لیے ظہر اور عشا کی جماعت میں بطورِ نفل شریک ہونا بالاتفاق جائز ہے۔ صاحبِ ترتیب بھی بالاتفاق اِس سے خارج ہے، وہ پہلے قضا پڑھے گا، اگرچہ جماعت کھڑی ہوچکی ہو۔ فجر کے لیے اِقامت ہونے کے بعد مسجد سے باہر سنتیں ادا کرنا جائز ہے اور یہ صورت بھی بالاتفاق اِس سے خارج ہے۔ اِسی طرح «لَا تَتْرُكُوا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَوْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ» (حدیث:1739) کے ساتھ سنتِ فجر بھی اِس حدیث کے عموم سے خاص ہیں، کیونکہ ضابطہ ہے: "جب عام سے بعض افراد کو خارج کر دیا جائے تو دلیل ظنی کے ساتھ بھی مزید تخصیص جائز ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت (حدیث:2145) کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اِس حدیث میں اِقامت کے بعد جماعت والی صف میں کوئی دوسری نماز ادا کرنے کی ممانعت مراد ہو؛ لہٰذا مسجد کے آخری حصہ میں سنتیں ادا کر کے صفوں میں شامل ہونا اِس ممانعت کے تحت داخل نہیں۔

روایتِ سیدنا ابن بُحَیْنہ: سیدنا ابن بُحَینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ایک شخص کو جماعت میں شریک نہ ہونے پر عتاب فرمایا۔ ممکن ہے اُن صاحب نے سنتِ فجر کو فرضوں کے ساتھ ملایا ہو اور سنت و فرض کے درمیان کلام یا جگہ تبدیل کرنے کے ذریعے فاصلہ نہ کیا ہو۔ آپ ﷺ نے اُنھیں سنت کو فرض کے ساتھ ملانے سے منع فرمایا، نہ کہ سنتِ فجر ادا کرنے سے۔ حدیث:2149 تا 2152 نیز حدیث:2156 سے اِس احتمال کی تائید ہوتی ہے۔

روایتِ سیدنا ابن سَرجِس: سیدنا عبد اللہ بن سَرجِس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں اگرچہ "خلف الناس" کے الفاظ ہیں (اُن صاحب نے صف سے پیچھے سنتیں ادا کیں پھر جماعت میں شامل ہوئے)، مگر ممکن ہے اُنھوں نے جماعت والی صف سے متصل صف میں سنتیں ادا کی ہوں۔ یہ بھی صفوں میں ادا کرنے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اِسی لیے آپ ﷺ نے اُن پر عتاب فرمایا۔ (دیکھیے بہارِ شریعت، ج:1، ص:665)

بالاتفاق اگر کوئی شخص ظہر، عصر یا عشا کی سنتیں مسجد میں ادا کرے اور جگہ تبدیل کرنے کے بعد فرائض ادا کرے تو مکروہ نہیں، اِسی طرح سنتِ فجر ادا کرنے کے بعد جگہ تبدیل کر کے فرض ادا کرے تو مکروہ نہیں۔

باب الصلاۃ فی الثوب الواحد

اِس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں، نیز ایک ہی کپڑا میسر ہو تو اُس کا تہ بند باندھنا چاہیے یا اُسے چادر بنانا چاہیے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو کپڑے میسر ہوں تو ایک میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایک ہی میسر ہو تو اُس کا تہ بند باندھے، اُسے دونوں کاندھوں پر ڈال کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

دلیل: حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اُنھیں کپڑے دیے، اِس وقت وہ نو عمر تھے۔ پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد میں آئے اور اُنھیں ایک کپڑے کو کندھوں پر ڈال کر نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: ”کیا تمھارے پاس دو کپڑے نہیں؟“ اُنھوں نے کہا: ”کیوں نہیں۔“ فرمایا: ”بتاؤ، اگر میں تم سے اِس گھر کے پیچھے مدد چاہوں (تمھیں کسی کام کے لیے بھیجوں) تو دونوں پہنو گے؟“ عرض کیا: ”جی ہاں۔“ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ ہے کہ اُس کے لیے زینت اختیار کرو یا لوگوں کا؟“ عرض کیا: ”اللہ تعالیٰ کا۔“ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ یا سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

«لَا يَشْتَمِلْ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ اشْتِمَالَ الْيَهُودِ. مَنْ كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ فَلْيَتَّزِرْ وَلْيَرْتَدِ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ثَوْبَانِ فَلْيَتَّزِرْ، ثُمَّ لِيُصَلِّ.» (حدیث:2173)

نوٹ: مذکورہ بالا روایت کے مطابق حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ کو اِس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں شک ہے۔ حضرت موسیٰ بن عُقبہ اور حضرت توبہ عَنبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سے، اُنھوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِسے مرفوعاً نقل کیا ہے، اُن کی روایت میں شک نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے یا رسول اللہ ﷺ سے۔ (حدیث:2177، 2178) جب کہ حضرت مالک علیہ الرحمہ نے

حضرت نافع علیہ الرحمہ سے، اُنھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِسے موقوفاً نقل کیا۔(حدیث:2180)

اِسی طرح حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، اُنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔(حدیث:2179)

یعنی اِس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں راویوں کا اختلاف ہے۔

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ (تحریمی) نہیں، اگرچہ دو کپڑے میسر ہوں۔

نیز اگر ایک ہی وسیع کپڑا میسر ہو تو اُسے چادر بناتے ہوئے کندھوں پر ڈال کر نماز ادا کرے، اُس کا تہ بند باندھ کر نماز پڑھنا مناسب نہیں۔ صاحبِ بہارِ شریعت نے لکھا:"صرف پاجامہ یا تہ بند پہن کر نماز پڑھی اور کُرتا یا چادر موجود ہے، تو نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو دوسرا کپڑا نہیں، تو معافی ہے۔"(بہارِ شریعت، ج:1، ص:629)

ایک کپڑے میں نماز کے جواز پر دلائل:

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی:"یارسول اللہ ﷺ، کیا ایک کپڑے میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟" فرمایا:

«أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ.» (حدیث:2181) کیا تم میں سے ہر شخص دو کپڑے پاتا ہے؟

یعنی اگر ایک کپڑے میں نماز مکروہ ہوتی تو جس کے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے اُس کے حق میں بھی مکروہ ہوتی۔

☆ سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُلْتَحِفًا بِهِ.» (حدیث:2192)

میں نے فخرِ آدم وبنی آدم ﷺ کو ایک کپڑے میں، اُس کے دونوں کنارے کاندھوں پر ڈالے ہوئے، نماز پڑھتے دیکھا۔

نیز سیدنا طلق بن علی، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا جواز نقل کیا ہے۔ (حدیث 2187 تا 2193)

ایک کپڑے کو چادر بنانے پر دلائل:

☆ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ والیِ بے کساں ﷺ فرمایا کرتے:

«إِذَا اتَّسَعَ الثَّوْبُ فَتَعَطَّفْ بِهِ عَلَى عَاتِقِكَ، وَإِذَا ضَاقَ فَاتَّزِرْ بِهِ، ثُمَّ صَلِّ.» (حدیث:2211)

جب کپڑا وسیع ہو تو اُس کی چادر بناؤ (کاندھوں پر ڈال لو) اور جب تنگ ہو تو اُسے اِزار (تہ بند) بناؤ، پھر نماز پڑھو۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ.» (حدیث:2209)

جب تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اِدھر کا کنارہ اُدھر اور اُدھر کا کنارہ اِدھر کرلے۔

☆ سیدہ اُمّ ہانی فاختہ بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ کے بارے نقل کیا:

«ثُمَّ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُخَالِفًا بَيْنَ طَرَفَيْهِ رَكَعَاتٍ.» (حدیث:2194)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا ابو سعید خُدری، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا عمر بن ابی سلمہ اور سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں، اُسے چادر بنا کر کاندھوں پر ڈالے ہوئے، نماز ادا کرتے دیکھا۔ (حدیث:2198 تا 2208)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روای ہیں کہ آپ ﷺ نے اِس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے اور اُس کے کاندھوں پر کچھ نہ ہو۔ (حدیث:2215)

نیز سیدنا بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے بلاضرورت صرف شلوار یا پاجامہ میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ (حدیث:2216)

نوٹ: صاحبِ نعلین ووِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے متعلق فرمایا: «إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ، فَأَمَّا إِذْ وَسَّعَ اللهُ، فَالصَّلَاةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى.» (مسند احمد: 21313) یہ اُس وقت ہے جب کپڑے کم ہوں، البتہ جب اللہ تعالیٰ نے وُسعت دی ہو تو دو کپڑوں میں نماز زیادہ پاکیزہ ہے۔

روایتِ سیدنا ابن عمر کا جواب: باب کے شروع میں مذکور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا جواب یہ ہے کہ ایک کپڑے کو ایک اِزار بنانے کا حکم تب ہے جب وہ تنگ ہو۔ جیسا کہ حدیث: 2211 سے واضح ہے۔ نیز "لایشتمل" میں اشتمال کی خاص صورت "اشتمال الصماء" (کپڑے میں اِس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہوں) سے منع فرمایا ہے۔

باب الصلاۃ فی أعطان الإبل

اِس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اُونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُونٹ باندھنے کی جگہ نماز باطل و حرام ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور وقت میں اُس کا اِعادہ لازم ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَلَا تُصَلُّوا فِي أَعْطَانِ الْإِبِلِ.» (حدیث:2222)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا براء بن عازب، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا جابر بن سمرہ اور سیدنا عبد اللہ بن مُغفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے "أعطان الإبل" (اُونٹ باندھنے کی جگہ) میں نماز پڑھنے کی ممانعت نقل کی ہے۔

دوسرا قول: احناف اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُونٹ باندھنے کی جگہ نماز جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ اگر وہ جگہ نجس ہو تو نجاست کی وجہ سے وہاں نماز ممنوع ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

«انَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ.» (حدیث:2230)

نیز سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو درداء اور سیدنا حارث بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موجودگی میں نقل کیا کہ آپ ﷺ نے اُونٹ کی جانب رُخ کرکے نماز ادا فرمائی۔ (حدیث:2231)

اِسی طرح آپ ﷺ اپنی سواری پر بھی نماز ادا فرماتے۔ (حدیث:2233)

معلوم ہوا کہ اُونٹ کی ذات میں نماز سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ ممانعت کی وجہ خارجی امر ہے، جیسا کہ جوابات میں مذکور ہو گا۔

جوابات: اُونٹوں کی جگہ نماز پڑھنے کی ممانعت والی احادیث سے متعلق درج ذیل اقوال ہیں:

1) حضرت شریک بن عبد اللہ نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہاں نجاست کے سبب نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ شتربانوں کی عادت تھی کہ وہ اُونٹ باندھنے کی جگہ بول وبراز کرتے، تو نجاست کے سبب منع فرمایا گیا، جب کہ بکریوں والے اُنھیں باندھنے کی جگہ بول وبراز سے بچتے تھے، اِس لیے وہاں نماز کی اِجازت دی گئی۔

2) حضرت یحییٰ بن آدم قرشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہاں نماز پڑھنے سے اِس لیے منع کیا گیا کہ اُونٹوں سے ضرر پہنچنے کا خوف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّهَا جِنٌّ، مِنْ جِنٍّ خُلِقَتْ» یہ جن ہیں، جنوں سے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرمایا: «إِنَّ لِهٰذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ» اِن اونٹوں میں بعض غیر مانوس ہیں جس طرح وحشی جانوروں میں غیر مانوس ہوتے ہیں۔ تو اُن سے ضرر کے خوف کی وجہ سے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا، بکریوں میں یہ خدشہ نہیں، اِس لیے وہاں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی بھی نہیں۔

پہلی توجیہ سے معلوم ہوا کہ نماز والا مقام پاک ہو اور کپڑے آلودہ ہونے کا خدشہ نہ ہو تو بھی نجس جگہ نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ بکریوں کا باڑہ نجس ہو تو اُس کا بھی یہی حکم ہے۔ دوسری توجیہ سے معلوم ہوا کہ ہر اُس جگہ نماز مکروہ تنزیہی ہے، جہاں ضرر کا خدشہ ہو۔

نظرِ طحاوی: اُونٹ اور بکری سے متعلق احکام یکساں ہیں۔ بالاتفاق اُونٹ اور بکری کا گوشت پاک ہے، جب کہ دونوں کا پیشاب نجس ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ دونوں کے باندھنے کی جگہ نماز کا حکم یکساں ہو۔

باب الإمام يفوته صلاة العيد هل يصلّيها من الغد أم لا

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر یکم شوال کو نمازِ عید کی جماعت نہ ہو سکے تو دوسرے دن اُس کی ادائیگی جائز ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر عید الفطر کے دن نمازِ عید کی جماعت نہ ہو سکے تو دوسرے دن ادا کر لیں۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس باب میں امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہا اللہ تعالیٰ کے مابین اختلاف ذکر کیا۔ احناف کی دیگر معتبر کتب میں یہ اختلاف مذکور نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی عید کے دن عذر کے سبب نمازِ عید کی ادائیگی نہ ہو سکے تو دوسرے دن ادا کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ يُذْكَرْ فِي الْكُتُبِ الْمُعْتَبَرَةِ اخْتِلَافٌ فِي هٰذَا. (البحر الرائق، ونقله العلامه الشامي ايضاً)

صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ کسی عذر (مثلاً سخت بارش) کے سبب عید کے دن نماز نہ ہو سکی تو دوسرے دن پڑھی جائے اور دوسرے دن بھی نہ ہوئی تو نمازِ عید الفطر تیسرے دن نہیں ہو سکتی۔ اگر بلا عذر عید والے دن نہیں پڑھی تو دوسرے دن ادا کرنے کی اجازت نہیں۔ (بہار شریعت ملخصاً، ج:1، ص:784)

دلیل: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے، ابو عمیر عبد اللہ بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے انصاری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں شوال کا چاند مخفی ہونے کے سبب اُنھوں نے تیس رمضان کو روزہ رکھا۔ بعض حضرات نے زوالِ شمس کے بعد عالمِ ماکان وما یکون ﷺ کی خدمت میں گزشتہ رات چاند دیکھنے کی گواہی دی۔ فرماتے ہیں:

«فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ النَّاسَ بِالْفِطْرِ، فَأَفْطَرُوا تِلْكَ السَّاعَةَ، وَخَرَجَ بِهِمْ مِنَ الْغَدِ، فَصَلّٰى بِهِمْ صَلَاةَ الْعِيدِ.» (حدیث:2233)

دوسرا قول: امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر عید والے دن نماز ادا نہ کی جاسکے تو بعد میں ادا کرنا جائز نہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

روایتِ سیدنا ابو عمیر کا جواب: شروعِ باب میں جو حدیث پاک مذکور ہے اِسے حضرت عبد اللہ بن صالح رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہُشیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند سے روایت کیا۔ اِس میں دوسرے دن نماز ادا کرنے کا ذکر ہے۔ (حدیث:2233) جب کہ دیگر حفاظِ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے اِس میں دوسرے دن نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، صرف یہ ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے دن جمع ہونے کا حکم فرمایا۔

(دیکھیے حدیث:2234، 2235، 2238)

ممکن ہے دوسرے دن عید گاہ میں جمع ہونے کا حکم دعا کرنے کے لیے ہو، جیسا کہ آپ ﷺ حائضہ خواتین کو دعا میں شرکت کے لیے حاضر ہونے کا حکم فرماتے۔ (حدیث:2236)

نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے دن عید گاہ جانے کا حکم اِسلام دشمنوں کو مسلمانوں کی افرادی قوت دکھانے کے لیے ہو۔

نظر طحاوی: بعض نمازیں ایسی ہیں جنہیں اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ کسی بھی وقت قضا کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ نمازِ پنج گانہ۔ جب کہ بعض دیگر ایسی ہیں جنہیں خاص وقت میں ادا کرنے کا حکم ہے، جیسے جمعہ، اِسے وقت گزرنے کے بعد اُس دن میں بھی قضا نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم ہوا جسے قضا ہو جانے کے بعد اُس دن میں پڑھا جاسکتا ہے اُس کی دوسرے دن قضا بھی جائز ہے اور جسے وقت گزرنے کے بعد اُس دن قضا نہیں کیا جاسکتا اُسے دوسرے دن پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ بالاتفاق نمازِ عید کو زوال شمس کے بعد اُس دن پڑھنے کی اجازت نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ دوسرے دن قضا کرنا بھی ناجائز ہو۔

جواب الجواب: امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے معروف قول کے مطابق عذر کے سبب نمازِ عید الفطر کی جماعت نہ ہو سکے تو دوسرے دن ادائیگی جائز ہے۔اِس قول کے مطابق امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدیث پاک کے جواب کا جواب یہ ہے کہ شروع باب میں جو حدیث پاک مذکور ہے وہ صحیح ہے، جسے امام ابن ماجہ سمیت متعدد محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔اگر دیگر روایات میں دوسرے دن نماز کا ذکر نہیں تو اِس میں ثقہ کا اِضافہ ہے۔اُصول حدیث کے ضابطہ "زیادات الثقات مقبولۃ" (ثقہ راویوں کے اِضافے مقبول ہیں) کے تحت اِس پر عمل کرنا لازم ہے۔

باب الصلاۃ فی الکعبۃ

کعبہ شریف میں نماز کے جواز اور کراہت سے متعلق ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ شریف میں صرف نفل نماز ادا کرنا جائز ہے، فرائض وواجبات اور سنتِ فجر وغیرہ کی ادائیگی درست نہیں۔

دلائل: ☆ محبوبِ رسول سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرماتے ہیں:

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا دَخَلَ الْبَيْتَ دَعَا فِي نَوَاحِيهِ كُلِّهَا، وَلَمْ يُصَلِّ فِيهِ شَيْئًا حَتّٰى خَرَجَ، فَلَمَّا خَرَجَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ: «هٰذِهِ الْقِبْلَةُ.»" (حدیث:2239)

معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اُس میں نماز ادا کرنا صحیح نہیں۔

☆ سیدنا فضل بن عباس اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی نقل کیا کہ آپ ﷺ نے کعبہ شریف میں نماز ادا نہیں کی۔(حدیث:2240، 2241)

دوسرا قول: احناف اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ شریف میں نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا بلال، سیدنا اُسامہ اور سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کعبۂ مشرفہ میں داخل ہوئے تھے۔ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: "رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف میں کیا عمل فرمایا؟" اُنھوں نے کہا:

«جَعَلَ عَمُودًا عَلٰى يَسَارِهٖ وَعَمُودَيْنِ عَلٰى يَمِينِهٖ وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ، ثُمَّ صَلّٰى وَجَعَلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِدَارِ نَحْوًا مِنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ.»

(حدیث:2242)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر نے سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا تو اُنھوں نے بھی اِسی طرح بیان کیا۔ (حدیث:2249)

☆ سیدنا عمر فاروق، سیدنا عبد اللہ بن صفوان، سیدنا عبد الرحمن بن صفوان، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا شیبہ بن عثمان اور سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی۔

☆ بنو سُلیم سے تعلق رکھنے والی ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ شریف کے کلید بردار سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا:

«إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِينَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ، فَنَسِيتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ مُصَلِّيًا.» (حدیث:2259)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے بیت اللہ شریف میں نماز ادا کرنے کی چاہت تھی، رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حطیم میں داخل کیا اور فرمایا:

«إِنَّ قَوْمَكِ لَمَّا بَنَوُا الْكَعْبَةَ، اقْتَصَرُوا فِي بِنَائِهَا، فَأَخْرَجُوا الْحِجْرَ مِنَ الْبَيْتِ، فَإِذَا أَرَدْتِ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْبَيْتِ فَصَلِّي فِي الْحِجْرِ، فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنْهُ.» (حدیث:2260)

نظرِ طحاوی: کعبہ مُشرّفہ کا کوئی ایک حصہ نمازی کے سامنے ہو تو بالاتفاق اُس کی نماز صحیح ہے، باقی حصوں کے دائیں یا بائیں ہونے سے نماز پر اثر نہیں پڑتا۔ نظر کا تقاضا ہے کہ کعبہ شریف کے اندر نماز ادا کرنا بھی صحیح ہو، کیونکہ اُس کا ایک حصہ نمازی کے سامنے ہے اور جو حصہ نمازی کے دائیں، بائیں، یا پیچھے ہے وہ اِس سامنے والے کے علاوہ ہے۔

وجوہ ترجیح: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف متعدد وجوہ سے راجح ہے:

1) نماز ادا کرنے کی روایات کثیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں۔

2) نماز کی نفی کرنے والے صحابی، سیدنا اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں اختلاف ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اُن سے نفی نقل کی۔ (حدیث:2239) جب کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اُن سے اثبات نقل کیا۔ (حدیث:2249) جب اُن سے روایات مختلف ہیں تو دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی احادیث راجح ہیں۔

3) آپ ﷺ کی قولی احادیث بھی جواز کی مؤید ہیں۔

نماز کی نفی والی روایات کے جوابات: ممکن ہے کہ والیِ کونین ﷺ «هٰذِهِ الْقِبْلَةُ» (حدیث:2239) کے الفاظ سے تعلیم فرمانا چاہتے ہوں کہ آیت کریمہ {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} [البقرۃ:125] ”اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو“ سے مراد ہے کہ تمہارا اِمام اِس طرف رُخ کرے۔ حرم پاک کی کسی دوسری جانب رُخ کرنے کی اِجازت نہیں؛ لہٰذا اِس حدیث پاک سے کعبہ شریف میں نماز کی ممانعت پر استدلال درست نہیں۔

نیز آپ ﷺ کے نماز ادا نہ فرمانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کعبہ شریف میں نماز ادا کرنا ممنوع ہے۔

باب من صلّی خلف الصفّ وحدہ

صف سے پیچھے نماز ادا کرنے والے شخص کی نماز صحیح ہونے یا نہ ہونے کے بارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو شخص جماعت کی صفوں سے پیچھے اکیلے نماز ادا کرے اُس کی نماز باطل ہے۔

دلائل: ☆ سیدنا وابصہ بن مَعْبَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو صف سے پیچھے تنہا نماز ادا کرتے دیکھا تو اُسے دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔(حدیث:2263)

☆ سیدنا علی بن شیبان سُحَیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے جانِ جہاں ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی، آپ ﷺ نے نماز مکمل کی تو ایک شخص صف کے پیچھے نماز ادا کر رہا تھا۔ آپ ﷺ (اُس کے پاس) کھڑے ہو گئے، حتیٰ کہ وہ نماز سے فارغ ہوا۔ پھر فرمایا:

«اسْتَقْبِلْ صَلَاتَكَ، فَلَا صَلَاةَ لِفَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ.» (حدیث:2265)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صف کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ ایسا کرنے والے کی نماز ہو جائے گی۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ مکروہاتِ تنزیہیہ کے تحت لکھتے ہیں:

”مقتدی کو صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے، جب کہ صف میں جگہ موجود ہو اور اگر صف میں جگہ نہ ہو تو حرج نہیں اور اگر کسی کو صف میں سے کھینچ لے اور اُس کے ساتھ کھڑا ہو تو یہ بہتر ہے، مگر یہ خیال رہے کہ جس کو کھینچے وہ اِس مسئلہ سے واقف ہو، کہ کہیں اِس کے کھینچنے سے اپنی نماز نہ توڑ دے۔ اور چاہیے یہ کہ یہ کسی کو اِشارہ کرے اور اُسے یہ چاہیے کہ پیچھے نہ ہٹے، اِس پر سے کراہت دفع ہو گئی۔“ (بہار شریعت، ج:1، ص:633)

نوٹ: اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا خلاصہ ہے کہ صفوں کا تسویہ (اُنھیں سیدھا کرنا)، اِتمام (جب تک

ایک صف مکمل نہ ہو دوسری شروع نہ کرنا) اور تراصّ (کندھے سے کندھا ملانا اور فاصلہ نہ رکھنا) تینوں اُمور واجب ہیں۔

(فتاوی رضویہ، ج:7، ص:219 تا 223)

دلائل: ☆ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں مسجد میں پہنچا، رسول اللہ ﷺ رکوع میں تھے، میرا سانس پھولا ہوا تھا، سو میں نے صف سے پیچھے ہی رکوع کیا، پھر صف کی طرف چلا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کی تو فرمایا: ''تم میں سے کس نے صف سے پیچھے رکوع کیا؟'' میں نے عرض کی: ''میں نے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ.» (حدیث:2266)

اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اِضافہ فرمائے، دوبارہ ایسے نہ کرنا۔

ضابطہ ہے کہ جس جگہ نماز مکمل کرنا درست نہ ہو وہاں نماز شروع ہی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ناپاک مقام پر نماز ادا کرنا درست نہیں، اگر کوئی شخص وہاں نماز شروع کرکے پاک جگہ چلا جائے تو بھی نماز نہیں ہوگی۔ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صف سے پیچھے نماز شروع کی، اِس کے باوجود آپ ﷺ نے اُنھیں دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا اُن کی نماز کا آغاز صحیح تھا۔ جب صف سے پیچھے نماز شروع کرنا صحیح ہے تو مکمل کرنا بھی صحیح ہے۔

نوٹ: آپ ﷺ کے اِرشاد گرامی: «وَلَا تَعُدْ» ''دوبارہ ایسے نہ کرنا'' کے دو معانی ہوسکتے ہیں:

1) دوبارہ صف سے پیچھے رکوع نہ کرنا، صف میں شامل ہوکر نماز شروع کرنا۔ (دیکھیے حدیث:2269)

2) دوبارہ یوں تیزی سے نہ آنا کہ سانس پھول جائے۔ جیسا کہ حدیث:2270 تا 2280 میں اطمینان ووقار کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے مروی ہے کہ جب وہ مسجد میں پہنچتے اور امام رکوع میں ہوتا تو صف سے پیچھے ہی نماز شروع کرکے رکوع کرتے اور رکوع کی حالت میں چلتے چلتے صف میں شامل ہو جاتے۔ (حدیث:2282، 2284)

نظرِ طحاوی: جماعت کے دوران اگر کسی شخص کے سامنے اگلی صف میں ایک نمازی کی جگہ خالی ہو جائے تو بالاتفاق اُسے حکم ہے کہ آگے بڑھ کر خلا پُر کرے۔ (جیسا کہ حدیث: 2281 میں ہے) اِس عمل سے اُس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اگرچہ وہ اگلی صف تک پہنچنے سے پہلے کچھ لمحات دو صفوں کے درمیان رہا۔ اگر صف کے علاوہ نماز صحیح نہ ہوتی تو چند لمحات دو صفوں کے درمیان ہونے کی وجہ سے اِس شخص کی نماز فاسد ہو جاتی، جیسا کہ نماز میں چند لمحے ناپاک جگہ کھڑے ہونے والے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جوابات: شروعِ باب میں مذکور ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے صف سے پیچھے نماز ادا کرنے والے صاحب کو نماز کے اِعادہ کا حکم فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ حکم کسی دوسرے فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے ہو، جیسا کہ سیدنا رِفاعہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا تھا: «اِرْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ.» (مسند احمد: 9635، 18995)

نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے اِرشادِ گرامی: «لَا صَلَاةَ لِفَرْدٍ خَلْفَ الصَّفِّ» "صف کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں" میں کمالِ نماز کی نفی ہو۔ یعنی صف سے پیچھے نماز ادا کرنے والے کی نماز کے فرائض اور سنن مکمل نہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ» "جس نے بسم اللہ شریف نہ پڑھی اُس کا وضو (مکمل) نہیں۔" نیز فرمایا: «لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ» "مسجد کے پڑوسی کی مسجد کے علاوہ نماز (کامل) نہیں۔" یہ بھی اِرشاد فرمایا: «لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِالَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِيْنُ الَّذِي لَا يُعْرَفُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ.» "(کامل) مسکین وہ نہیں جسے ایک دو کھجوریں لوٹا دیں، مسکین وہ ہے جس کے مسکین ہونے کے بارے معلوم نہیں ہوتا کہ اُس پر صدقہ کیا جائے اور وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتا۔"

اِن تینوں احادیث میں بالترتیب وضو، نماز اور مسکین سے کمال کی نفی ہے۔

صف سے پیچھے نماز شروع کرنے کا حکم

امام احمد اور امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس شخص کو خدشہ ہو کہ صف میں پہنچنے تک امام رکوع سے سر اُٹھالے گا، اُسے چاہیے کہ صف سے پیچھے ہی نماز شروع کر کے رکوع کرے، پھر صف میں شامل ہو جائے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسا ہی کرتے تھے۔

(حدیث:2282،2284)

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صف میں پہنچنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہنا جائز نہیں۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَىٰ أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فَلَا يَرْكَعْ دُونَ الصَّفِّ حَتَّىٰ يَأْخُذَ مَكَانَهُ مِنَ الصَّفِّ.»

(حدیث:2269)

☆ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صف سے پیچھے ہی رکوع کیا تو رسول اللہ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد اُنھیں فرمایا: «زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ.» (حدیث:2266)

اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اِضافہ فرمائے، دوبارہ ایسے نہ کرنا۔

☆ خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صف سے پیچھے رکوع کرنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ (حدیث:2287)

باب الرجل یدخل فی صلاۃ الغداۃ فیصلّی منھا رکعۃ ثم تطلع الشمس

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص نماز فجر ادا کر رہا ہو، ایک رکعت پڑھنے کے بعد سورج طلوع ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ دوسری رکعت بھی ادا کر لے۔ اِس صورت میں نمازِ فجر ادا ہی شمار ہو گی۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ.»

(حدیث:881)

☆ اُنھوں نے ہی روایت کیا:

«مَنْ أَدْرَكَ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرٰى.»

(حدیث:2288)

☆ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی روایت کیا:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ. وَإِذَا أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ.» (حدیث:2289)

جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اُس کی نماز مکمل ہو گئی، اور جب (سورج طلوع ہونے سے پہلے) فجر کی ایک رکعت پالی تو اُس کی نماز مکمل ہو گئی۔

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ فجر کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، بعد میں اُس کی قضا لازم ہے۔

دلائل: رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں طلوعِ شمس کے وقت نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔
صاحبِ نعلین و وِسادہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كُنَّا نُنْهٰى عَنِ الصَّلَاةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا وَنِصْفَ النَّهَارِ.»

(حدیث:883)

اعتراض: طلوعِ شمس کے وقت صرف نوافل ممنوع ہیں، قضا ممنوع نہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد طلوع تک، اِسی طرح نمازِ عصر کے بعد غروب تک نماز سے منع فرمایا۔ بالاتفاق اِن دونوں اوقات میں صرف نوافل ممنوع ہیں۔

جواب: فجر کے بعد طلوع تک، اِسی طرح عصر کے بعد غروب تک صرف نوافل ممنوع ہیں، قضا ممنوع نہیں، مگر طلوعِ شمس کے وقت تمام نمازیں بشمول قضا، ممنوع ہیں۔

قضا ممنوع ہونے پر دلیل یہ ہے کہ لیلۃ التَّعریس (جس رات کے آخری حصہ میں آپ ﷺ نے صحابہ کے ہمراہ ایک جگہ قیام فرمایا تھا) کی صبح جب نمازِ فجر قضا ہو گئی تو آپ ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد انتظار کیا اور سورج بلند ہونے پر نماز قضا فرمائی۔ (حدیث:2290 تا 2298) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «ثُمَّ انْتَظَرَ حَتّٰى اسْتَعَلَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَ فَأَقَامَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.» (حدیث:2291) حالانکہ اگر سوتے میں نماز قضا ہو جائے تو حکم ہے کہ بیدار ہوتے ہی اُس کی قضا کرے۔ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ نے فرمایا: «فَإِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ صَلَاةً أَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا.» (ترمذی:177)

نظرِ طحاوی: آپ ﷺ نے عیدین میں روزہ سے منع فرمایا۔ بالاتفاق اِس ممانعت میں نوافل و فرائض سبھی شامل ہیں۔ اِسی طرح آپ ﷺ نے طلوعِ شمس کے وقت نماز سے منع فرمایا، نظر کا تقاضا ہے کہ اِس ممانعت میں بھی فرائض و نوافل سبھی شامل ہوں۔

البتہ نمازِ فجر اور عصر کے بعد ممانعت کا سبب وقت نہیں، فرض نماز کی تعظیم ہے۔ لہٰذا نظر کا تقاضا ہے کہ اِن اوقات میں صرف نوافل ممنوع ہوں، کیونکہ وہ فرض سے کم درجہ کے ہیں، قضا تو فرض ہی کے درجہ میں ہے۔

روایاتِ سیدنا ابوہریرہ کے جوابات: ائمہ ثلاثہ علیہم الرحمہ کے دلائل میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین روایات مذکور ہیں۔ اُن کے جوابات درج ذیل ہیں:

حدیث:881 ممکن ہے کہ اِس حدیث پاک سے مراد ہو "جو افراد نماز کے اہل نہیں تھے، اگر طلوعِ شمس سے اِتنا وقت پہلے اہل ہوئے کہ صرف ایک رکعت کی ادائیگی ممکن ہے تو اُن پر نماز فرض ہو گئی۔ بعد میں اُس کی قضا کریں گے۔" طلوعِ شمس سے کچھ لمحے قبل بچہ بالغ ہو گیا، یا حائضہ پاک ہو گئی، یا کافر مسلمان ہو گیا، یا مجنون عقل مند ہو گیا تو اِن سب پر فجر فرض ہو گئی۔

نوٹ: اِس حدیث پاک کی بعض اسانید میں ہے: «فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ» اور بعض میں ہے: «فَقَدْ أَدْرَكَ» اِمام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول: "ذَكَرَ فِي هٰذَا الْأَثَرِ الْإِدْرَاكَ، وَلَمْ يَذْكُرِ الصَّلَاةَ" دوسری سند کے الفاظ کے مطابق ہے۔ (ملخص از نخب الافکار)

حدیث:2288، 2289 یہ احادیث طلوعِ شمس کے وقت نماز ادا کرنے کی ممانعت سے پہلے کی ہیں اور منسوخ ہیں۔

نیز علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا: "فقد تمت صلاته" کا معنی ہے: **تمّ وجوبها في ذمته بإدراك ذلك القدر في الوقت**. یعنی ایک رکعت کا وقت پالینے سے اُس کے ذمہ میں نماز کا وجوب تامّ ہو گیا۔ (نخب الافکار)

سوال: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا: ”جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اُس کی نماز مکمل ہوگئی، اور جب (طلوعِ شمس سے پہلے) فجر کی ایک رکعت پالی تو اُس کی نماز مکمل ہوگئی۔“ (حدیث:2289) تم لوگ (احناف) اِس حدیث کے ایک حصہ پر عمل کرتے ہو اور ایک کو چھوڑ دیتے ہو۔ تمہارے نزدیک اگر عصر کی ایک رکعت ادا کرنے کے بعد سورج غروب ہو جائے تو بقیہ ادا کی جائے گی، جب کہ فجر کی ایک رکعت ادا کرنے کے بعد سورج طلوع ہو جائے تو بقیہ ادا نہیں کی جاسکتی۔

جواب: ہمارے نزدیک یہ پوری حدیث منسوخ ہے۔ البتہ ہم نے غروبِ شمس کے وقت عصر کی ادائیگی کو اِس لیے جائز قرار دیا ہے کہ عصر کے وجوب کا سبب (اُس کے وقت کا آخری جز) ناقص ہے، لہٰذا اُسے وقتِ ناقص (غروبِ شمس کے وقت) میں ادا کیا جاسکتا ہے، جب کہ فجر کے وجوب کا سبب (اُس کے وقت کا آخری جز) کامل ہے، اور طلوعِ شمس کا وقت ناقص ہے، سببِ کامل سے فرض ہونے والی نماز کو وقتِ ناقص میں مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ (ملخص از نخب الافکار)

باب صلاۃ الصحیح خلف المریض

اِس بات میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر اِمام کسی عذر کے سبب بیٹھ کر نماز ادا کرے تو قیام پر قدرت رکھنے والے مقتدی بیٹھ کر نماز ادا کریں گے یا کھڑے ہو کر۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں، اگرچہ وہ کھڑے ہونے کی طاقت رکھتے ہوں۔

دلائل: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا جسمِ مبارک متأثر تھا، آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی بیٹھ کر پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ. فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا. وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعِينَ.» (حدیث:2302)

نیز سیدنا جابر، اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے یہ حکم نقل کیا۔ (حدیث:2301،2305،2311،2307)

دوسرا قول: احناف اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو قیام پر قدرت رکھنے والے مقتدی کھڑے ہو کر ہی اِقتدا کریں گے۔ اگر کسی شخص نے قدرت کے باوجود قیام نہ کیا تو اُس کی نماز نہیں ہوئی۔

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا خلاصہ ہے کہ مرض وفات شریف میں آپ ﷺ کے حکم سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کراتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ

نے کچھ اِفاقہ محسوس کیا تو دو حضرات کو سہارا دے کر نمازِ ظہر میں رونق افروز ہوئے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِمامت کررہے تھے، وہ پیچھے ہٹے، رسول اللہ ﷺ نے وہیں کھڑے رہنے کا اِشارہ فرمایا اور اُن کی بائیں جانب تشریف فرما ہوگئے۔ فرماتی ہیں:

«فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ قَائِمٌ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ، وَالنَّبِيُّ ﷺ قَاعِدٌ.» (حدیث:22313)

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اِس کی مثل روایت کیا ہے۔(حدیث:2312)

نظرِ طحاوی: ایسا تو ہوتا ہے کہ مقتدی پر اِقتدا کی وجہ سے کوئی چیز لازم ہو جائے جو پہلے لازم نہیں تھی، مگر ایسا نہیں ہوتا ہے کہ اِقتدا کی وجہ سے کوئی چیز ساقط ہو جائے جو پہلے لازم تھی۔ مثلاً: مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اُس پر چار رکعات فرض ہو جاتی ہیں، جب کہ مقیم مسافر کی اِقتدا کرے تو اُس سے دو رکعات ساقط نہیں ہوتیں، بلکہ وہ چار رکعات ہی ادا کرتا ہے۔ جب غیر معذور پر قیام فرض ہے تو نظر کا تقاضا ہے کہ معذور کی اِقتدا کرنے سے ساقط نہ ہو۔

سوال: آپ کا ضابطہ کلی نہیں۔ غلام پر نمازِ ظہر فرض ہے، جب وہ جمعہ میں شریک ہو جائے تو اِقتدا کے سبب اُس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔

جواب: یہ مثال بھی ہماری مؤید ہے۔ غلام پر جمعہ فرض نہیں تھا، اِقتدا کی وجہ سے اُس پر جمعہ فرض ہو گیا، پھر جمعہ ظہر کا بدل ہے، اِس لیے ظہر فرض نہ رہی۔

احادیث کے جوابات: شروعِ باب میں مذکور احادیث مبارکہ منسوخ ہیں۔ آپ ﷺ کا آخری عمل شریف یہ تھا کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کھڑے ہو کر اقتدا کی۔

نوٹ: اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدیوں کو بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم اِس لیے فرمایا گیا تھا کہ عجمیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔(جیسا کہ حدیث:2300 سے واضح ہے) عجمیوں کا طریقہ تھا کہ سردار بیٹھا ہوتا اور وہ اُس کے لیے تعظیماً کھڑے رہتے۔شاید یہ حکم منسوخ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ بعد میں عجمیوں کی رُسوم سے نفرت پختہ ہو گئی تھی۔(راقم)

اعتراض: آپ نے کہا کہ مرضِ وفات والی نماز میں رسول اللہ ﷺ امام تھے اور صدیق اکبر مقتدی تھے، حالانکہ احادیث میں اِس کا برعکس مروی ہے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:«صَلّٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَاعِدًا.» (حدیث2315) نیز سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔(حدیث:2316)

لہٰذا مرض وفات کی نماز والی احادیث کو ناسخ قرار دینا صحیح نہیں۔

جوابات: اِس اعتراض کے متعدد جوابات ہیں:

1) مذکورہ روایات سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مقتدی تھے، مگر آپ کے درج ذیل افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام تھے:

I. اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نقل کیا کہ آپ ﷺ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بائیں جانب بیٹھے۔(حدیث:2314) یہ اِمام کا مقام ہے۔ اگر آپ ﷺ مقتدی ہوتے تو اُن کی دائیں جانب بیٹھتے۔

II. سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے وہیں سے قراءت شروع کی جہاں تک صدیق اکبر پہنچے تھے۔(حدیث:2312) یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قراءت ترک کر دی اور آپ ﷺ نے شروع کی۔ اگر آپ ﷺ مقتدی ہوتے تو قراءت نہ فرماتے۔

نوٹ: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نماز جہری تھی، جب کہ حدیث میں تصریح ہے کہ ظہر کی نماز تھی۔ (حدیث: 2313) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

2) حدیث: 2314 اور 2312 میں تصریح ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِمام تھے۔ اعتراض میں مذکور روایات کی اسانید اِن احادیث کے مساوی نہیں۔

3) احادیث میں تعارض نہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہفتہ والے دن نمازِ ظہر میں امامت کرائی اور پیر والے دن نمازِ فجر میں اِقتدا فرمائی۔ ہم نے ظہر کی اِمامت والی احادیث کو ناسخ قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: أَوَّلًا: لَا يُعَارِضُ مَا فِي الصَّحِيحِ، وَثَانِيًا: قَالَ الْبَيْهَقِيُّ: لَا تَعَارُضَ، فَالصَّلَاةُ الَّتِي كَانَ فِيهَا إِمَامًا صَلَاةُ الظُّهْرِ يَوْمَ السَّبْتِ أَوِ الْأَحَدِ، وَالَّتِي كَانَ فِيهَا مَأْمُومًا الصُّبْحُ مِنَ الِاثْنَيْنِ وَهِيَ آخِرُ صَلَاةٍ صَلَّاهَا حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا.

(مرقاۃ المفاتیح)

امام محمد کا موقف: امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والا بیٹھ کر پڑھنے والی کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ اِمام کا بیٹھ کر کھڑے ہونے والوں کو نماز پڑھانا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خاصہ ہے۔

باب الرجل یصلّی الفریضۃ خلف من یصلّی تطوّعا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ فرض ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کی اِقتدا کر سکتا ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کی اِقتدا کر سکتا ہے۔

دلیل: سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّنَا...» (حدیث:1240)

”حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (رات کی نماز) ادا کرتے، پھر واپس آکر ہمیں نماز پڑھاتے۔ الحدیث“

رسول اللہ ﷺ کی اِقتدا میں فرض ادا کرنے کے بعد سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز نفل ہوتی تھی، جب کہ قوم اُن کی اِقتدا میں فرض ادا کرتی تھی۔

دوسرا قول: احناف اور موالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُفْتَرِض (فرض پڑھنے والا) مُتَنَفِّل (نفل پڑھنے والے) کی اِقتدا نہیں کر سکتا۔

دلائل: ☆ حضرت معاذ بن رِفاعہ رحمہ اللہ تعالیٰ راوی ہیں کہ ابو القاسم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

«يَا مُعَاذُ، لَا تَكُنْ فَتَّانًا، إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِي، وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَنْ قَوْمِكَ.» (رقم:2319)

اے معاذ! آزمائش میں ڈالنے والے نہ بنو، یا میرے ساتھ نماز ادا کرو یا اپنی قوم سے تخفیف کرو (یعنی پھر میرے ساتھ نماز ادا نہ کرو)۔

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ دو اُمور میں سے ایک کا انتخاب کریں: 1) آپ ﷺ کی اِقتدا میں نماز۔ 2) تخفیف کے ساتھ قوم کی اِمامت۔ یعنی چاہو تو میرے ساتھ نماز ادا کرو اور امامت نہ کراؤ، یا اِمامت کراؤ اور میرے ساتھ نماز ادا نہ کرو۔

امام کے ضامن ہونے پر دلائل:

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مالکِ رقابِ اُمم ﷺ نے فرمایا:

«الإِمَامُ ضَامِنٌ، وَالمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، اَللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الأَئِمَّةَ، وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ.»

(ترمذی:207)

☆ حضرت ہمّام بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَسِيَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، فَأَعَادَ بِهِمُ الصَّلَاةَ.»

(حدیث:2323)

☆ مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، خواجہ حسن بصری، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے نمازِ ظہر ادا نہ کی اور غلطی سے عصر پڑھنے والے کی اقتدا میں ظہر کی نیت سے شامل ہو گیا تو کیا حکم ہے؟ اُنھوں نے فرمایا:

"وہ ظہر اور عصر دونوں کا اِعادہ کرے۔" (کیونکہ امام اور مقتدی کی نیت یکساں نہ ہونے کے سبب نہ ظہر ہوئی، نہ عصر) (حدیث:2326 تا 2330)

☆ حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ اِمام بے وضو نماز پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: "اِمام اور مقتدی سبھی دوبارہ نماز ادا کریں۔" (حدیث:2325)

نظرطحاوی: نظر کا تقاضا ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہو، یعنی مقتدی کی نماز فساد و صحت میں امام کی نماز پر موقوف ہو، کیونکہ امام کو سہو ہو جائے تو مقتدی پر بھی سجدۂ واجب ہو جاتا ہے، جب کہ مقتدی کو سہو ہو جائے تو کسی پر بھی سجدۂ واجب نہیں ہوتا۔

جب امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے تو ضروری ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف نہ ہو۔(امام کی نماز مقتدی کی نماز کے مساوی ہو یا اُس سے اعلیٰ وصف پر ہو)

پہلا اعتراض: جب بالاتفاق نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اِقتدا کر سکتا ہے تو فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اِقتدا کرنا کیوں ناجائز ہے؟

جواب: نفل کی تحریمہ فرض کی تحریمہ کا جز ہے، کیونکہ نفل مطلق نیت (جس میں فرض یا نفل وغیرہ کی کوئی تعیین نہ ہو) سے بھی ادا ہو جاتے ہیں، جب کہ فرائض مطلق نیت سے ادا نہیں ہوتے، اُن کے لیے فرض ہونے کی تعیین بھی ضروری ہے۔

مفترض متنفل کی پوری نماز کا امام ہے؛ لہٰذا اُس کی اِقتدا درست ہے، جب کہ متنفل مفترض کی نماز کے ایک جز (مطلق نماز) کا اِمام ہے، بقیہ جز (فرضیت) کا امام نہیں، لہٰذا اقتدا جائز نہیں۔

دوسرا اعتراض: آپ نے کہا کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، یہ درست نہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالتِ جنابت میں نماز پڑھائی اور معلوم ہونے کے بعد اُس کا اِعادہ بھی کیا، مگر مقتدیوں کو دوبارہ ادا کرنے کا حکم نہ فرمایا۔ اگر امام ضامن ہوتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدیوں کو بھی دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیتے۔

جواب: سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی امام ضامن ہے، یہی وجہ ہے کہ قراءت میں نسیان کے سبب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ نماز پڑھائی تھی۔ (حدیث: 2323) اعتراض میں مذکور موقع پر آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقتدیوں کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم اِس لیے نہیں دیا کہ نماز سے پہلے جنابت لاحق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ بقول زُبَیْد بن صَلت رحمہ اللہ تعالیٰ آپ نے نماز کے بعد فرمایا تھا:

«أُرَانِي قَدِ احْتَلَمْتُ وَمَا شَعَرْتُ، وَصَلَّيْتُ وَمَا اغْتَسَلْتُ.» (حدیث:2321)

"وماشعرت" (مجھے معلوم نہیں ہوا) کے الفاظ صریح ہیں کہ آپ کو جنابت لاحق ہونے کا وقت معلوم نہیں تھا۔ فقہی اُصول ہے کہ "حدث" لاحق ہونے کا وقت معلوم نہ ہونے کی صورت میں اُسے قریب ترین وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ البتہ آپ نے احتیاط کے پیشِ نظر خود اِعادہ فرمالیا۔

جواب کی تائید: اِس جواب کی تائید یوں ہوتی ہے کہ آپ نے قراءت میں نسیان کے سبب دوبارہ نماز پڑھائی، حالانکہ قراءت ترک کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، تو جنابت کے سبب بدرجۂ اولیٰ اِعادہ کراتے، کیونکہ طہارت بالاتفاق نماز کے لیے شرط ہے، مگر چونکہ نماز سے پہلے جنابت لاحق ہونے کا یقین نہیں تھا، اِس لیے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

نیز نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مذکورہ صورت میں مقتدیوں پر نماز کا اِعادہ لازم ہو۔ جب مقتدی کو امام کا جنبی ہونا معلوم ہو تو بالاتفاق اُس کی نماز باطل ہے اور اِس صورت میں امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہے، نظر کا تقاضا ہے کہ جنبی ہونا معلوم نہ ہونے کی صورت میں بھی مقتدی کی نماز باطل ہو اور امام ضامن ہو، کیونکہ جس طرح اپنی نماز صحیح یا فاسد ہونے میں علم اور لاعلمی کا اعتبار نہیں، اِسی طرح امام کی نماز صحیح یا فاسد ہونے میں بھی علم اور لاعلمی کا اعتبار نہیں۔

نوٹ: ایک رِوایت میں ہے کہ کسی شخص نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا: "میں نے نماز میں کچھ بھی تلاوت نہیں کی (نماز کا کیا حکم ہے)؟" آپ نے فرمایا: "کیا تم نے رکوع و سجود مکمل ادا نہیں کیے؟" اُس نے کہا: "کیوں نہیں؟" (مکمل ادا کیے ہیں) فرمایا: «تَمَّتْ صَلَاتُكَ» (حدیث:2324) تیری نماز پوری ہوگئی۔

یہ رِوایت بظاہر جواب میں مذکور حدیث:2323 کے معارض ہے، مگر چونکہ حدیث:2323 کی سند

متصل ہے، اُس کے راوی ہمام بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ موقع پر موجود تھے، جب کہ مذکورہ روایت میں تصریح نہیں کہ راوی نے خود سنا ہے یا کسی سے روایت کیا ہے؛ لہٰذا حدیث:2323 راجح ہے۔ نیز حضرت طاؤس اور حضرت مجاہد رحمہا اللہ تعالیٰ نے بھی بے وضو امامت کرانے کے بارے فرمایا: ”امام اور مقتدی سبھی دوبارہ نماز ادا کریں۔“ (حدیث:2325)

روایتِ سیدنا معاذ کے جوابات: سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے متعدد جوابات ہیں:

1) ممکن ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نفل کی نیت کرتے ہوں اور اپنی محلے میں امامت کے وقت فرض کی نیت کرتے ہوں؛ لہٰذا اِس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

نوٹ: اِس جواب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابن جریج نے حضرت عمرو بن دینار علیہما الرحمہ سے اور اُنھوں نے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: «**هِيَ لَهُ تَطَوُّعٌ، وَلَهُمْ فَرِيضَةٌ.**» یعنی سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھاتے، یہ نماز آپ کے لیے نفل اور مقتدیوں کے لیے فرض ہوتی۔ (حدیث:2318) معلوم ہوا کہ وہ امامت کے وقت نفل کی نیت کرتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اِس حدیث کو حضرت ابن عُیینہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیلاً حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے اور اُس میں یہ الفاظ مذکور نہیں۔ ممکن ہے یہ جملہ حضرت ابن جُریج یا حضرت عمرو بن دینار رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول ہو یا سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِرشاد ہو۔ بہر حال سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ امامت کے وقت نفل کی نیت کرتے تھے۔

2) اگر سیدنا معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے وقت نفل کی نیت کرتے ہوں تو بھی اِستدلال درست نہیں، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اِس عمل کی تائید فرمائی، بلکہ آپ ﷺ سے تردید منقول ہے، جیسا احناف کے دلائل میں حدیث:2319 مذکور ہے۔

زمانۂ اقدس میں ہونے والے کسی عمل کے لیے جب تک آپ ﷺ کی تائید ثابت نہ ہو، اُس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رِفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ زمانۂ اقدس میں بغیر اِنزال جماع کی وجہ سے غسل نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے فرمایا: ''کیا تم نے آپ ﷺ کی خدمت میں اِس بارے عرض کیا تھا کہ آپ نے اِسے پسند فرمایا ہو؟''

3) اگر ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اِس عمل کی تائید فرمائی تھی تو بھی اِس سے استدلال درست نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ اُس وقت کی بات ہو جب فرائض کو دوبار پڑھنے کی اجازت تھی۔ جیسا کہ "باب صلاۃ الخوف" میں مذکور ہوا۔

باب التوقیت فی القراءۃ

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نماز میں تلاوت کے لیے کسی سورت کو معین کرلینا (صرف اُسے ہی پڑھنا) کیسا ہے۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازِ جمعہ اور عیدین میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت کرنی چاہیے، دیگر سورتوں کی تلاوت نامناسب ہے۔

دلائل: سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا نعمان بن بشیر اور سیدنا سَمُرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اور عیدین میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

(حدیث:2331تا2337)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ اور عیدین میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت کرنا بہتر ہے، البتہ دیگر سورتوں کی تلاوت میں بھی کوئی حرج نہیں۔ نیز کسی بھی نماز میں سورت کو معین کرلینا، کہ صرف اُسی کی تلاوت کی جائے، مکروہ ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ''نمازِ جمعہ میں بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون یا پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ اور دوسری میں ھَلْ اَتٰـک پڑھے، مگر ہمیشہ اِنہی کو نہ پڑھے، کبھی کبھی اور سورتیں بھی پڑھے۔'' (بہار شریعت، ج:1، ص:776)

دلائل: ☆ سیدنا ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں سورۂ ''ق'' اور سورۂ قمر کی تلاوت فرمائی۔ (حدیث:2338)

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی۔ (حدیث:2342)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی نمازِ جمعہ میں آپ ﷺ سے دیگر سورتوں کی تلاوت کرنا نقل کیا۔(حدیث:2344،2340)

قولِ اول کی روایات کا جواب: شروعِ باب میں جو روایات مذکور ہیں اُن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دیگر سورتوں کی تلاوت نامناسب ہے، کیونکہ اُن میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرمائی، یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے دیگر سورتوں کی تلاوت سے منع فرمایا۔

نیز روایات میں آپ ﷺ سے مختلف سورتوں کی تلاوت منقول ہے، اگر بعض سورتوں کو معین کرلیا جائے تو احادیث میں تضاد لازم آئے گا؛ لہٰذا احادیث میں تطبیق کی جائے گی کہ مختلف سورتوں کی تلاوت جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف سورتوں کی تلاوت فرمائی، ہر راوی نے وہ سورت نقل کی جو اُس نے سُنی تھی۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ آپ ﷺ جمعہ کے روز نمازِ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دھر کی تلاوت فرماتے تھے۔(حدیث:2344) مگر اِس سے ثابت نہیں ہوتا کہ دیگر سورتوں کی تلاوت نامناسب ہے۔

باب صلاۃ المسافر

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ مسافر پر نماز میں قصر لازم ہے یا نہیں۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرعی مسافر کے لیے چار رکعتی فرائض میں قصر کرتے ہوئے اُنھیں دو رکعات ادا کرنا لازم نہیں۔ اُن کے مواقف کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسافر کے لیے قصر کرنا رُخصت ہے، چاہے تو چار رکعات بھی ادا کر سکتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصر کرنا سنتِ مؤکدہ ہے، چار رکعات ادا کرے تو بھی گناہ گار نہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

«قَصَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي السَّفَرِ وَأَتَمَّ.» (حدیث:2346)

☆ حضرت یعلیٰ بن مُنیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا} [النساء:101] ”اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو، اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ایذا دیں گے۔“ اب تو لوگوں کو امن حاصل ہو چکا ہے (پھر قصر کیوں جائز ہے؟) سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”مجھے بھی اِس بات سے تعجب ہوا تھا، میں نے اِس بارے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ.» یہ رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا فرمائی ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی رخصت قبول کرو۔“ (حدیث:2347)

نیز اِس آیت کریمہ میں: {فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ} "تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو" سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر واجب نہیں۔

☆ متعدد روایات میں ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت کے آخر میں منٰی کے اندر چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔(دیکھیے حدیث:2358)

☆ سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا حذیفہ بن یمان، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی سفر میں چار رکعات ادا کرنا منقول ہے۔(حدیث:2411 تا2415)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر شرعی میں قصر کرنا عزیمت ہے، مسافر پر واجب ہے کہ چار رکعتی فرائض کو دو رکعات ادا کرے۔ قصداً چار رکعات ادا کرے تو گناہ گار ہے اور توبہ کرنا لازم ہے۔ پھر اگر چار رکعات پڑھے اور دو کے بعد قعدہ کرے تو فرض ادا ہو جائیں گے اور آخری دو رکعات نفل ہوں گی۔ دو رکعات کے بعد قعدہ نہ کرے تو فرض ادا نہیں ہوں گے وہ نماز نفل ہو جائے گی۔

(ملخص از بہار شریعت، ج:1، ص:743)

دلائل: متعدد احادیثِ قولیہ وفعلیہ اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے کہ سفر میں قصر لازم ہے۔

احادیثِ قولیہ: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

«قَدْ فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ (ﷺ) فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ.» (حدیث:2388)

☆ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں درج ذیل کلمات بھی اِرشاد فرمائے:

«صَلَاةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ تَمَامٌ لَيْسَ بِقَصْرٍ، عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ.»

(حدیث:2990، 2991)

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن عباس، اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابو اُمیّہ انس بن مالک قُشَیری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احادیث قولیہ روایت کیں، جن میں تصریح ہے کہ مسافر پر قصر کے ساتھ نماز ادا کرنا لازم ہے۔(حدیث:2397 تا 2410)

احادیثِ فعلیہ: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَصُومُ فِي السَّفَرِ وَيُفْطِرُ، وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ لَا يَدَعُهُمَا، يَعْنِي لَا يَزِيدُ عَلَيْهِمَا.» (حدیث:2352)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ مِنْ أَهْلِهِ لَمْ يُصَلِّ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ.»

(حدیث:2355)

نیز امیر المؤمنین سیدنا عمر، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عمران بن حُصین، سیدنا انس بن مالک، سیدنا ابو جُحَیفہ اور سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نقل کیا کہ آپ ﷺ سفر میں دو رکعات ادا کرتے تھے۔(حدیث:2349 تا 2371)

احادیثِ موقوفہ: حضرات شیخین کریمین، مولی المسلمین سیدنا علی، سیدنا سلمان فارسی، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سفر میں قصر کرتے ہوئے چار رکعتی فرائض کو دو رکعات پڑھتے تھے۔(حدیث:2372 تا 2386)

نظر طحاوی: اِس بات پر اتفاق ہے کہ جس حکم کو ترک کرنے کی اجازت نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے اور جسے ترک کرنے کی اجازت ہو وہ نفل ہوتا ہے۔ بالاتفاق سفر میں پہلی دو رکعات کو ترک کرنے کی اجازت نہیں؛ لہٰذا وہ فرض ہیں، آخری دو رکعات کے بارے اختلاف ہے (بعض کے نزدیک اُنھیں ادا کرنا چاہیے اور بعض کے نزدیک نہیں ادا کرنا چاہیے)؛ لہٰذا وہ نفل ہیں۔ بالاتفاق مُقیم کو سلام پھیرے بغیر چار رکعات کے ساتھ مزید رکعات ملانے کی اِجازت نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ مسافر کو بھی دو رکعات کے ساتھ سلام پھیرے بغیر مزید رکعات ملانے کی اِجازت نہ ہو۔

روایتِ اُمّ المؤمنین کا جواب: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہوا: «قَصَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي السَّفَرِ وَأَتَمَّ» (حدیث:2346) اِس کا جواب یہ ہے کہ دیگر روایات میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اِس کے برعکس مروی ہے۔ آپ نے فرمایا: «فُرِضَتِ الصَّلَاةُ أَوَّلَ مَا فُرِضَتْ رَكْعَتَيْنِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ.» (حدیث:2402، نیز دیکھیے: حدیث:2348)

نوٹ: حکیم الاُمت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُم المؤمنین کے قول کی تشریح میں لکھا: "یعنی حضور ﷺ نے سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں قصر کیا اور دو رکعت والیوں میں اِتمام یا بحالت سفر قصر کیا اور جہاں پندرہ روز قیام ہوا وہاں اِتمام۔" (مرآۃ المناجیح)

آیتِ کریمہ سے استدلال کا جواب: "جُناح" (گناہ) کی نفی کبھی رخصت کے لیے ہوتی ہے اور کبھی کوئی حکم واجب کرنے کے لیے۔ جیسا کہ آیت کریمہ ہے: {فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا} [البقرۃ:158] "تو جو اِس گھر کا حج یا عمرہ کرے اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ اِن دونوں (صفا اور مروہ) کی سعی کرے۔" اِس آیت میں "جناح" (گناہ) کی نفی رُخصت کے لیے نہیں، کیونکہ سعی کرنا واجب ہے۔

عملِ سیدنا عثمان کی توجیہ: مذکور ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت کے آخری سالوں میں منٰی شریف میں چار رکعات ادا کرتے تھے۔ چونکہ قصر سے متعلق آیت کریمہ اُن کے پیشِ نظر تھی، نیز وہ اُن مواقع پر موجود تھے جب آپ ﷺ نے امن اور افراد کی کثرت کے باوجود چار رکعات ادا فرمائیں؛ اِس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قصر کے قائل نہیں تھے۔ اُن کے عمل کی توجیہ کرتے ہوئے امام زُہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ شریف میں اِقامت کی نیت کر لیتے تھے۔“ (رقم:2416)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عملِ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے یہ بات راجح قرار دی ہے کہ آپ کے نزدیک مسافر کو نماز میں قصر اور چار رکعات پڑھنے کا اختیار ہے، جیسا کہ اُسے روزہ رکھنے اور ترک کرنے کا اختیار ہے۔

دیگر توجیہات: سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کی یہ توجیہ بھی بیان کی گئی کہ اُن سالوں میں دیہاتی حضرات بکثرت حج میں شریک تھے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنھیں نماز سکھانے کے لیے چار رکعات ادا فرمائیں۔ (رقم:2417) امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ معقول نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں اعراب احکام سے زیادہ لاعلم تھے اور دورِ جاہلیت کے زیادہ قریب تھے، اُنھیں تعلیم کی زیادہ حاجت تھی، اِس کے باوجود آپ ﷺ نے قصر کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور بعد میں مقیم کی نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا۔

نیز یہ بھی کہا گیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قصر کا حکم اُس مسافر کے لیے ہے جسے زادِ راہ (کھانا اور پانی وغیرہ) ساتھ لے جانے کی حاجت ہو۔ (دیکھیے حدیث:2418 تا 2420) اگر کوئی شخص تجارت کے لیے شہر میں ٹھہرے تو اُسے قصر کی اجازت نہیں۔ چونکہ دورِ عثمانی میں منٰی شہر کا درجہ اختیار کر چکا تھا اور وہاں جانے والے کو زادِ راہ ساتھ لے جانے کی حاجت نہیں تھی، اِس لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں قصر نہیں کرتے تھے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس توجیہ کو بھی ردّ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ منٰی شریف کی آبادی مکہ مکرمہ

سے زیادہ نہیں، آپ ﷺ اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مکہ مکرمہ میں قصر کے ساتھ نماز ادا کی ہے؛ لہٰذا یہ قرار دینا درست نہیں کہ اِس بنا پر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ شریف میں قصر کو ترک کیا۔

دیگر صحابہ کے عمل کی توجیہات: ☆ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے قول اول پر استدلال درست نہیں، کیونکہ اُن سے قصر ادا کرنا اور چار رکعات ادا کرنے پر اِنکار کرنا منقول ہے۔(حدیث:2379)

☆ سیدنا حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ممکن ہے اُن کے نزدیک قصر کی اِجازت صرف حج و عمرہ کرنے والے اور مجاہد کے لیے ہو۔ جیسا حدیث: 2421 میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ ممکن ہے اُن کے نزدیک قصر کا حکم صرف اُس وقت تک ہو جب تک سفر جاری رہے، شہر میں داخل ہونے کے بعد قصر کا حکم ختم ہو جاتا ہو، کیونکہ حدیث: 2398 میں اُن سے اِس کے برعکس منقول ہے۔

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت عُروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ وہی تاویل کرتی تھیں جو سیدنا عثمان نے کی۔“(رقم: 2422) یعنی اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا جہاں بھی جاتیں وہاں اِقامت کی نیت کر لیتیں۔

نوٹ: بعض حضرات نے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ”اُم المؤمنین“ ہیں، وہ سمجھتیں کہ میں جہاں بھی جاؤں میرے بچوں کا گھر ہے، اِس لیے چار رکعات ادا کرتیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس توجیہ کو ردّ کیا ہے، کیونکہ اگر وہ اُم المؤمنین ہیں تو رسول اللہ ﷺ ابو المؤمنین ہیں اور آپ ﷺ کا حق اُن سے زیادہ ہے، اِس کے باوجود آپ ﷺ مسافر کی طرح قصر فرماتے تھے۔

نیز یہ بھی کہا گیا کہ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک قصر کا حکم اُس مسافر کے لیے ہے جسے زادِ راہ (کھانا اور پانی وغیرہ) ساتھ لے جانے کی حاجت ہو۔ (جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے مذکور ہوا) چونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زادِ راہ لے جانے کی حاجت نہیں ہوتی تھی، اِس لیے آپ قصر نہ کرتیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس توجیہ کو بھی ردّ کیا ہے۔ اِس کا جواب وہی ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کی توجیہات میں گزرا۔

شہر اور غیر شہر کا فرق نہ ہونے پر نظر: نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مسافر کے حق میں شہر اور غیر شہر کا فرق نہ ہو۔ بالاتفاق مقیم پر چار رکعات ادا کرنا لازم ہے، خواہ وہ اِقامت میں مُطیع ہو یا معصیت کا ارتکاب کرے، اِقامت کے حکم میں طاعت اور معصیت کا کوئی دخل نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ سفر میں اُس پر قصر لازم ہو، خواہ وہ سفر میں مُطیع ہو یا معصیت کا اِرادہ رکھے، سفر کے حکم میں طاعت اور معصیت کا کوئی دخل نہ ہو۔ جب ثابت ہوا کہ قصر کا تعلق سفر سے ہے، اِس میں کسی دوسرے امر کا دخل نہیں تو نظر کا تقاضا ہے کہ مسافر پر بہر صورت قصر لازم ہو، خواہ وہ شہر میں ہو یا غیر شہر میں۔

باب الوتر هل يصلّى فى السفر على الراحلة أم لا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ مسافر کو سواری پر وِتر ادا کرنے کی اِجازت ہے یا اُتر کر زمین پر ادا کرنا لازم ہے۔

پہلا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر میں سواری پر دیگر نوافل کی طرح وتر ادا کرنا بھی جائز ہے۔

دلیل: بروایتِ امام زُہری رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَوَجَّهَ وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ.» (حدیث:2423)

دوسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وِتر میں قیام فرض ہے، مسافر کو بلا عذر سواری پر وتر پڑھنے کی اِجازت نہیں، سواری سے اُتر کر زمین پر ادا کرنا لازم ہے۔

نوٹ: منشاءِ اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وتر واجب نہیں؛ لہٰذا اُن کا حکم دیگر نوافل کی طرح ہے۔ ہمارے نزدیک وتر واجب ہیں اور اُن کا حکم فرائض کی طرح ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

”بیرونِ شہر (وہ جگہ جہاں سے مسافر پر قصر واجب ہوتی ہے) سواری پر بھی نفل پڑھ سکتا ہے اور اِس صورت میں استقبالِ قبلہ شرط نہیں بلکہ سواری جس رُخ کو جا رہی ہو اُدھر ہی مونھ ہو...“ (بہار شریعت، ج:1، ص:671)

مزید لکھا: ”جانور اور چلتی گاڑی پر اور اُس گاڑی پر جس کا جُوءا (وہ لکڑی جو بیل وغیرہ کے کاندھے پر رکھی جاتی ہے) جانور پر ہو بلا عذر شرعی فرض و سنتِ فجر و تمام واجبات، جیسے وتر و نذر اور نفل جس کو توڑ دیا ہو اور سجدۂ تلاوت، جب کہ آیت سجدہ زمین پر تلاوت کی ہو، ادا نہیں کر سکتا، اور اگر عذر کی وجہ سے ہو تو اُن سب میں شرط

یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو قبلہ رُو کھڑا کر کے ادا کرے ورنہ جیسے بھی ممکن ہو۔"(بہار شریعت، ج:1، ص:673)

دلائل: ☆ حضرت نافع رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے کہتے ہیں:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ وَيُوتِرُ بِالْأَرْضِ، وَيَزْعُمُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ كَذٰلِكَ.» (حدیث:2427)

"وہ نفل نماز سواری پر ادا کرتے تھے اور وِتر زمین پر پڑھتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔"

☆ متعدد اِرشاداتِ نبویہ سے ثابت ہے کہ نمازِ وتر واجب ہے اور واجبات کو بلا عذر سواری پر ادا کرنے کی اجازت نہیں۔ سیدنا ابوبصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ زَادَكُمْ صَلَاةً، فَصَلُّوهَا مَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ، الْوِتْرَ الْوِتْرَ.» (حدیث:2436)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نماز مزید عطا کی ہے، تو اُسے عشا اور نمازِ فجر کے درمیان پڑھو، یعنی نمازِ وتر، یعنی نمازِ وتر۔"

نیز مولی المسلمین سیدنا علی اور سیدنا حُذافہ عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اِس کی مثل روایت کیا۔ (حدیث:2432، 2434)

اِن احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نمازِ وتر کے اِضافہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جو کہ اُس واجب ہونے پر صریح دلیل ہے۔ نیز ضابطہ ہے کہ مَزِید (جس کا اِضافہ کیا جائے) مَزِید علیہ (جس میں اِضافہ کیا گیا) کی جنس سے ہوتا ہے، وِتر کو مزید قرار دینا تبھی درست ہے جب وہ فرائض کی جنس سے ہو۔

نظر طحاوی: اِس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص قیام پر قدرت رکھتا ہو اُس کے لیے بیٹھ کر فرائض ادا کرنا جائز نہیں، نیز جو مسافر سواری سے اُتر سکتا ہو اُس کے لیے سواری پر فرائض ادا کرنا جائز نہیں،

جب کہ نوافل کو قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور سفر میں سواری پر بھی۔ خلاصہ یہ کہ زمین پر اُترنے کی قدرت کے باوجود سواری پر وہ نماز جائز ہوتی ہے جسے قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھنا جائز ہو۔ بالاتفاق وتر بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں، نظر کا تقاضا ہے کہ سواری سے اُترنے پر قدرت کی صورت میں اُنھیں سواری پر ادا کرنا بھی جائز نہ ہو۔

وجہ ترجیح: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں ضابطہ ہے کہ دلائل میں تعارض ہو تو اُس دلیل پر عمل کیا جاتا ہے جو اُصول کے موافق ہو اور قیاس جس کا مؤید ہو۔ اُصول کے مطابق وتر واجب ہیں اور کوئی بھی واجب بلا عذر سواری پر ادا نہیں کیا جاسکتا۔

روایتِ سیدنا ابن عمر کے جوابات: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا کہ آپ ﷺ سفر میں سواری پر وتر ادا کرتے تھے۔ اِس روایت کے دو جوابات ہیں:

1) ابتدائی دور میں وتر واجب نہیں تھے، اُس وقت دیگر سنن و نوافل کی طرح اُنھیں بھی سواری پر ادا کرنا جائز تھا۔ بعد میں واجب کیے گئے (جیسا کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے دلائل کے تحت مذکور ہے)؛ لہٰذا اب اُنھیں سواری پر ادا کرنا جائز نہیں۔

2) بروایتِ حنظلہ رحمہ اللہ تعالیٰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ وہ سواری سے اُتر کر وتر ادا کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ (حدیث:2427) یعنی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات میں تعارض ہے۔

نوٹ: یہ دوسرا جواب مرجوح ہے، کیونکہ حدیث 2427 کے راوی حنظلہ رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث 2423 کے راوی زُہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں۔ نیز روایتِ حنظلہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وتر کو بعض اوقات زمین پر ادا کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُنھیں سواری پر ادا کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ حدیث: 2431 سے واضح ہے۔

باب الرجل يشكّ فى صلاته فلا يدرى أثلاثًا صلّى أم أربعًا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کو نماز میں رکعات کی تعداد کے بارے شک ہو جائے تو اُس کے لیے کیا حکم ہے۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف ہے کہ نمازی کو تعدادِ رکعات میں شک ہو جائے تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی، مزید کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر یارِ ارم ﷺ سے روایت کیا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ.» (حدیث:2445)

نیز سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اِس کی مثل روایت کیا۔(حدیث:2437)

دوسرا قول: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے تو وہ اقل پر بنا کرے (کم رکعات قرار دے کر نماز مکمل کرے)، مثلاً شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار، تو تین قرار دے کر ایک رکعت مزید پڑھے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے روایت کیا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَشَكَّ فِي الْوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ فَلْيَجْعَلْهَا وَاحِدَةً، وَإِذَا شَكَّ فِي الثَّلَاثِ أَوِ الْأَرْبَعِ فَلْيَجْعَلْهَا ثَلَاثًا حَتَّى يَكُونَ الْوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ.» (حدیث:2447)

نیز سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اِس کی مثل نقل کیا ہے۔(حدیث:2448)

جواب: پہلے قول کے تحت جو احادیث مذکور ہوئیں اُن میں صرف سجدۂ سہو کا حکم تھا، دیگر روایات میں اُن پر اضافہ ہے جسے قبول کرنا اور اُس پر عمل کرنا لازم ہے۔

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو جائے تو تین صورتیں ہیں:

1) بالغ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ شک ہوا۔ اِس صورت میں حکم ہے کہ نماز توڑ کر دوبارہ ادا کرے یا غالب گمان پر عمل کرے۔

2) پہلے بھی شک ہوا ہے اور ایک طرف غالب گمان (یقین) ہے۔ اِس صورت میں حکم ہے کہ غالب گمان پر عمل کرے۔

3) پہلے بھی شک ہوا ہے اور غالب گمان نہیں ہے۔ اِس صورت میں حکم ہے کہ اقل (کم) پر بنا کرے اور احتمالی صورتوں میں بھی آخری قعدہ ترک نہ کرے۔

صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: "جس کو شمارِ رکعت میں شک ہو، مثلاً تین ہوئیں یا چار اور بلوغ کے بعد یہ پہلا واقعہ ہے تو سلام پھیر کر یا کوئی عمل منافیِ نماز کر کے توڑ دے یا غالب گمان کے بموجب پڑھ لے، مگر بہر صورت اِس نماز کو سرے سے پڑھے، محض توڑنے کی نیت کافی نہیں، اور اگر یہ شک پہلی بار نہیں بلکہ پیشتر بھی ہو چکا ہے تو اگر غالب گمان کسی طرف ہو تو اُس پر عمل کرے، ورنہ کم کی جانب کو اختیار کرے، یعنی تین اور چار میں شک ہو تو تین قرار دے، دو اور تین میں شک ہو تو دو، وعلیٰ ھذا القیاس، اور تیسری، چوتھی دونوں میں قعدہ کرے، کہ تیسری رکعت کا چوتھی ہونا محتمل ہے اور چوتھی میں قعدہ کے بعد سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے اور گمان غالب کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں، مگر جب کہ سوچنے میں بقدر ایک رکن کے وقفہ کیا ہو تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا۔" (بہار شریعت، ج:1، ص:718)

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاجدارِ انبیا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کیا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ أَثَلَاثًا صَلَّى أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيَنْظُرْ أَحْرَى ذٰلِكَ إِلَى الصَّوَابِ، فَلْيُتِمَّهُ، ثُمَّ لِيُسَلِّمْ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَيَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ.» (حدیث:2455)

نیز سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تحری کا حکم نقل کیا۔(حدیث:2460)

☆ سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابوسعید خُدری، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعدادِ رکعات میں شک ہو جانے پر تحری کرنے کا فتوی دیتے تھے۔(حدیث:2458 تا2462)

وجوہِ ترجیح: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا موقف متعدد وجوہ سے راجح ہے:

1) احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے تمام احادیث میں مطابقت کی ہے اور کسی پر عمل کو ترک نہیں کیا، جب کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے موقف میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

2) پہلے دونوں اقوال کی مؤید احادیث روایت کرنے والے صحابہ (سیدنا ابوسعید اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) خود بھی تحری کر کے گمان غالب پر عمل کرنے کے قائل تھے۔(دیکھیے حدیث:2459،2458) معلوم ہوا کہ وہ سمجھتے تھے اقل پر بنا کا حکم تب ہے جب غالب گمان نہ ہو۔

نظرِ طحاوی: مسلّمہ فقہی ضابطہ ہے:"یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔" جیسا کہ کسی شخص کو شک ہو کہ اُس نے نماز ادا کی ہے یا نہیں تو اُسے تحری کر کے غالب گمان پر عمل کی اِجازت نہیں، بلکہ اُس پر لازم ہے کہ نماز ادا کرے۔ جب نمازی کو یقین ہے کہ اُس پر چار رکعات فرض ہیں تو نظر کا تقاضا ہے کہ یہ فریضہ شک کے ساتھ ساقط نہ ہو، بلکہ تب ساقط ہو جب اُسے یقین ہو جائے کہ چار رکعات ادا ہو چکی ہیں۔

اعتراض: مذکور بالا ضابطہ کی روشنی میں نظر کا تقاضا ہے کہ شک کی صورت میں نمازی پر مزید ایک رکعت ادا کرنا لازم نہ ہو، کیونکہ اُسے مزید ایک رکعت فرض ہونے کا یقین نہیں۔

جواب: بعض عبادات یقین کے بغیر بھی فرض ہو جاتی ہیں۔ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں اُنیتس شعبان سے اگلے دن (یوم شک کو) رمضان کا روزہ رکھنا درست نہیں، کیونکہ رمضان شروع ہونے کا یقین نہیں، جب کہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں اُنیتس رمضان سے اگلے دن روزہ رکھنا لازم ہے، اگرچہ اِس بات کا یقین نہیں ہے کہ یہ رمضان کا دن ہے۔ (جیسا کہ حدیث: 2466 تا 2483 سے واضح ہے)

اِس حکم سے بھی معلوم ہوا کہ جس امر کا شروع متحقق ہو جائے اُس سے خروج تبھی ہو گا جب کہ خروج کا یقین ہو۔ نماز شروع کرنے کے بعد اُس سے فراغت تبھی درست ہو گی جب تمام رکعات کی ادائیگی کا یقین ہو جائے۔

اہم نوٹ: مندرجہ بالا نظر طحاوی شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کی مؤید ہے۔ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ:

1) نظر کا تقاضا تو یہی تھا کہ غالب گمان پر عمل کی اِجازت نہ ہو، مگر ہم نے احادیث کے پیش نظر اِسے ترک کر دیا۔

2) متعدد مقامات پر غالب گمان (جزم) کا حکم یقین والا ہی ہے۔ جب نمازی نے غالب گمان پر عمل کرتے ہوئے چار رکعات ادا کر لیں تو گویا اُس نے یقین کے ساتھ چار رکعات ادا کیں۔

جدید سائنس کی روشنی میں رؤیتِ ہلال اور معجزۂ نبوی:

حدیث: 2471 میں ہے کہ چاند بڑا محسوس ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ رؤیت سے ہی مہینہ کا آغاز ہو گا۔ درج ذیل جدید سائنسی معلومات سے اِس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

چاند زمین سے تقریباً چار لاکھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور سورج تقریباً پندرہ کروڑ کلومیٹر کے فاصلے پر۔

سورج خود روشن ہے، جب کہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل شدہ ہے۔ چاند ہر ماہ سورج کے مرکز اور زمین کے مرکز کے درمیان بننے والی فرضی سطح پر آتا ہے، اِس لمحے کو چاند کی پیدائش، نیو مون، Conjunction اور غرۂ وسطیہ کہا جاتا ہے۔

نیو مون کے وقت چاند، سورج اور زمین کے درمیان ہوتا ہے اور اُس کا تمام تر روشن حصہ سورج کی طرف، جب کہ پُشت یعنی غیر روشن حصہ ہماری طرف ہوتا ہے، اِس لیے اِس وقت ہمیں چاند نظر نہیں آتا۔

چاند ہر لمحے مغرب سے مشرق کی طرف ذاتی حرکت کرتا ہے، اِسی لیے مہینے کے آغاز پر روز بروز اُس کا روشن حصہ ہمیں بڑھتا دکھائی دیتا ہے اور پھر تقریباً چودہ تاریخ کے بعد یہ روشن حصہ بتدریج کم ہونے لگتا ہے۔

چاند اوسطاً 29.5 دنوں کے بعد دوبارہ نیو مون بنتا ہے۔ نیو مون کے بعد جتنا وقت گزرے اُسے ”چاند کی عمر“ کہا جاتا ہے۔

ماہرین کا مشاہدہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت اگر چاند کی عمر 20 گھنٹے سے کم ہو تو روشن حصہ قلیل ہونے کے سبب انسانی آنکھ اُسے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، 30 گھنٹے سے زیادہ عمر ہو تو واضح نظر آتا ہے۔ اِس کے درمیانی وقت میں کبھی نظر آتا ہے، کبھی نہیں، کیونکہ اُس کا روشن حصہ معمولی ہوتا ہے اور اُفق میں سورج کی روشنی بھی موجود ہوتی ہے۔ اگر سورج کے غروب کے بعد چاند کے غروب تک کا دورانیہ 40 منٹ ہو تو نظر آنا ممکن ہوتا ہے۔ دورانیہ جتنا زیادہ ہو نظر آنے کے اِمکانات اُتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔

اگر چاند کی عمر 20 سے 30 گھنٹے کے درمیان ہو اور نظر نہ آئے تو ظاہر ہے کہ اگلے دن اُس کا حجم کافی بڑا ہو گا۔ ایسا لگے گا کہ دوسری تاریخ کا چاند ہے، حالانکہ وہ پہلی تاریخ ہی ہو گی۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ نے چاند کے بارے یہ معلومات حاصل ہونے سے صدیوں پہلے یہی حکم فرمایا تھا کہ بڑا نظر آئے یا چھوٹا، رمضان و اِفطار میں اُس کی رُؤیت کا اعتبار ہے۔

باب سجود السہو فی الصلاۃ ھل ھو قبل التسلیم أو بعدہ

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے کہ سجدۂ سہو سے پہلے سلام پھیرا جائے گا یا اُس کے بعد۔

پہلا قول: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے ہو، البتہ اگر تعدادِ رکعات میں کمی کا شک تھا اور رکعات پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا یا اِمام نے کسی سہو میں غالب گمان پر عمل کرتے ہوئے نماز پڑھائی تو اِن دو صورتوں میں بہتر ہے کہ سلام کے بعد سجدۂ سہو کریں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن مالک المعروف ابن بُحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، غالبا وہ نماز عصر تھی، آپ ﷺ دوسری رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور قعدہ نہ کیا۔ فرماتے ہیں:

« فَلَمَّا كَانَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. » (حدیث:2489)

☆ حضرت یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُنھیں نماز پڑھائی اور قعدۂ اُولی بھول گئے تو نماز کے آخر میں سلام سے پہلے (سہو کے) دو سجدے کیے اور فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔“ (حدیث:2490)

دوسرا قول: اِمام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر نماز میں کوئی کمی رہ جانے کی وجہ سے سجدہ کیا جائے تو وہ سلام سے پہلے ہے، اور اِضافہ کے سبب سجدہ کیا جائے، مثلاً پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہونے کے بعد لوٹا، تو وہ سلام کے بعد ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

دلائل: کمی کی صورت میں وہ سیدنا عبد اللہ بن بُحینہ اور سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔(سیدنا ابن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث قول اول کے تحت مذکور ہوئی اور سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث قول ثالث کے تحت مذکور ہو گی)

اِضافہ کی صورت میں اُن کی دلیل یہ ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے پانچ رکعات پڑھائیں، جب اِس بارے عرض کی گئی تو آپ ﷺ نے سجدۂ سہو کیا۔ راوی کہتے ہیں:

«ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ.» (صحیح مسلم:1311)

تیسرا قول: احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سجدۂ سہو تمام صورتوں میں سلام کے بعد ہے۔ سلام سے پہلے سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (درّ مختار، باب سجود السہو) صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”واجباتِ نماز میں جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے تو اُس کی تلافی کے لیے سجدۂ سہو واجب ہے۔ اِس کا طریقہ یہ ہے کہ التَّحِیَّات کے بعد داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرے۔“

مزید لکھا: ”سجدۂ سہو کے بعد بھی التَّحِیَّات پڑھنا واجب ہے۔ التَّحِیَّات پڑھ کر سلام پھیرے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں قعدوں میں دُرود شریف بھی پڑھے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ پہلے قعدہ میں التَّحِیَّات و دُرود پڑھے اور دوسرے میں صرف التَّحِیَّات۔ سجدۂ سہو سے وہ پہلا قعدہ باطل نہ ہوا مگر پھر قعدہ کرنا واجب ہے۔“

(بہار شریعت، ج:1، ص:708،710)

دلائل: ☆ سیدنا مُغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، آپ ﷺ دو رکعات کے بعد سہواً (قعدہ کیے بغیر) کھڑے ہو گئے، ہم نے سبحان اللہ کہا، آپ ﷺ نے نماز جاری رکھی (کھڑے رہے)۔ فرماتے ہیں:

« فَلَمَّا أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ.» (حدیث:2493)

☆ سیدنا ذوالیدین خِرباق سُلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنے کا ذکر ہے۔ سیدنا ابوہریرہ، سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نقل کیا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہواً چار سے کم رکعات پڑھائیں۔ سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس بارے عرض کیا تو آپ ﷺ نے سلام کے بعد (سہو کے) دو سجدے کیے۔ (حدیث:2492، مزید اسانید اگلے باب میں مذکور ہیں)

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس موقع پر حاضر تھے، بعد میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمی کی صورت میں بھی سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔ (حدیث:2500) اِسی طرح سیدنا عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس موقع پر موجود تھے، بعد میں وہ فتویٰ دیتے کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے۔ (حدیث:2510)

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث پاک کو عام سمجھتے تھے، کہ ہر حال میں سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے۔

☆ سیدنا مُغیرہ بن شُعبہ، امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق، سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا عبد اللہ بن مسعود، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن زُبیر، سیدنا انس بن مالک اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سلام کے بعد سجدہ کرنا ہی منقول ہے۔ (حدیث:2499 تا 2510)

☆ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی موقف تھا۔ (حدیث:2511)

نظرِ طحاوی: سجدۂ صلاتی (نماز میں فرض سجدہ) بھولے سے رہ جائے تو یاد آتے ہی سجدہ کرنے کا حکم ہے، اِسی طرح سجدۂ تلاوت بھی فوری طور پر ادا کرنے کا حکم ہے، جب کہ سجدۂ سہو کو نماز کے آخر تک مؤخر کرنے کا حکم ہے، بعض کے نزدیک سلام کے بعد تک اور بعض کے نزدیک سلام سے پہلے باقی نماز کے آخر تک۔ جب بالاتفاق سجدۂ سہو باقی ارکان سے مؤخر ہے تو مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ سلام سے بھی مؤخر ہو۔

باب الکلام فی الصلاۃ لما یحدث فیھا من السھو

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ نماز کی اِصلاح کے لیے کلام کرنے سے یا سہوًا کلام کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں۔

پہلا قول: شوافع اور موالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کی اِصلاح کے لیے کلام سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اِسی طرح سہوًا کلام کرنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

دلائل: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دن کی نماز میں سہوًا دو یا تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا۔ سیدنا ذوالیدین خِرباق سُلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس بارے عرض کی۔ آپ ﷺ نے دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصدیق کے بعد سابقہ نماز پر بنا کی۔ اِس کلام کو مُفسد قرار دے کر دوبارہ نماز شروع نہ کی۔

(حدیث:2512تا2528)

دوسرا قول: احناف اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کلام سے مطلقاً نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ عمداً ہو یا سہوًا، قلیل ہو یا کثیر، اِصلاح نماز کے لیے ہو یا کسی دوسرے مقصد کے لیے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) اِمام سے سہو ہو جائے اور اِصلاح کی ضرورت ہو تو کلام کے بجائے تکبیر کہی جائے۔

دلائل: ☆ متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے نماز کے دوران ہر طرح کے کلام سے منع فرمایا۔ مثلاً سیدنا معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اِقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے جواباً یَرْحَمُکَ اللّٰہ کہا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اُنھیں خاموش کرا دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے نہایت نرم لہجے میں اُنھیں فرمایا:

«إِنَّ صَلَاتَنَا هٰذِهٖ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هِيَ التَّكْبِيرُ وَالتَّسْبِيحُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ.» (حدیث:2529)

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے مطلقاً کلام کی نفی فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا: "مگر یہ کہ امام کوئی چیز ترک کرے اور تم اُسے مطلع کرنے کے لیے کلام کرو۔"

اِسی طرح سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے مدینہ پاک حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے نماز میں کلام کی ممانعت کے بارے خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«وانَّ مِمَّا أَحْدَثَ قَضٰی أَنْ لَا تَتَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ.» (حدیث:2548)"اللہ تعالیٰ نے جو نئے احکام نازل فرمائے ہیں، اُن میں یہ بھی ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو۔"

اِس حدیث پاک میں بھی آپ ﷺ نے دوران نماز مطلقاً کلام سے منع فرمایا۔

نوٹ: آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم اِس لیے نہیں دیا کہ اِس سے پہلے اُنھیں کلام ممنوع ہونے کا علم نہیں تھا۔ نیز ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے اِعادہ کا حکم فرمایا ہو مگر روای نے اُسے نقل نہ کیا ہو۔

☆ سیدنا سہل بن سعد اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کوئی عارضہ پیش آنے پر مردوں کو سبحان اللہ کہنے (تسبیح) اور خواتین کو ہاتھ پر ہاتھ مارنے (تصفیح و تصفیق) کا حکم فرمایا۔ سیدنا سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ سُبْحٰنَ اللهِ، إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ.» (حدیث:2532)

نظر طحاوی: بالاتفاق حج و عمرہ اور اعتکاف، جماع وغیرہ ممنوعات سے فاسد ہو جاتے ہیں، خواہ قصداً جماع کیا ہو یا بھولے سے۔ حج و عمرہ اور اعتکاف میں عمد و نسیان کا حکم یکساں ہے۔ جب قصداً کلام سے بالاتفاق نماز فاسد ہو جاتی ہے تو مختلف فیہ کو متفق علیہ پر قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ سہواً کلام سے بھی فاسد ہو جائے اور عمد و نسیان کا حکم یکساں ہو۔

جوابات: سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث سے استدلال درست نہیں، کیونکہ اُس وقت نماز میں کلام کی اجازت تھی، بعد میں اُس سے منع فرمایا گیا۔ یعنی شوافع کی مُستدلّ احادیث منسوخ ہیں۔ درج ذیل اُمور نسخ پر دلیل ہیں:

1) سیدنا معاویہ بن حکم اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث میں آپ ﷺ نے ہر طرح کے کلام سے منع فرمایا۔ (حدیث:2529، 2548)

2) آپ ﷺ نے نماز میں کوئی عارضہ پیش آنے پر مَردوں کو سبحان اللہ کہنے اور خواتین کو ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا حکم فرمایا۔ (حدیث:2532)

3) سیدنا معاویہ بن حُدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہو سے متعلق جو حدیث نقل کی اُس میں ہے کہ جب سیدنا طلحہ بن عُبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو سہو ہونے کے بارے عرض کی تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اِقامت کا حکم فرمایا، پھر بقیہ رکعت ادا فرمائی۔ (حدیث:2540)

بالاتفاق اِقامت سے نماز کا فاسد نہ ہونا منسوخ ہے اور اب سہو کے بعد اِقامت کہنے کی اجازت نہیں۔ اِسی طرح کلام سے نماز کا فاسد نہ ہونا بھی منسوخ ہے اور اب اُس کی اجازت نہیں۔

4) سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس موقع پر موجود تھے۔ بعد میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دورِ خلافت میں سہو ہوا، جب آپ کی توجہ دلائی گئی تو آپ نے دوبارہ نماز پڑھائی۔ (حدیث: 2541) اِس وقت سیدنا ذوالیدین کے واقعہ کا مشاہدہ کرنے والے بعض دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے اور اُنھوں نے سیدنا عمر کے اِس عمل پر اِنکار نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ سیدنا عمر اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو منسوخ سمجھتے تھے۔

5) سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سہو کے بعد تسبیح کے ذریعے آپ ﷺ کو توجہ نہیں دلائی اور آپ ﷺ نے اُن پر اِنکار بھی نہیں فرمایا، جب کہ بالاتفاق اب حکم ہے کہ اگر امام کو سہو ہو جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہے۔ معلوم ہوا سیدنا ذوالیدین کا عمل تسبیح مشروع ہونے سے پہلے تھا اور منسوخ ہے۔

6) سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سہواً دو رکعات پر سلام پھیرنے کے بعد حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لے گئے۔ (حدیث:2514) ظاہر ہے کہ اِس صورت میں رُخِ انور قبلہ سے دوسری طرف ہوا ہو گا، نیز نماز کے دوران چلنا بھی پایا گیا، جب کہ بالاتفاق اب ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اعتراض: اگر کوئی شخص سہواً قبلہ سے رُخ پھیر لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی؛ لہٰذا اِس سے نسخ پر استدلال درست نہیں۔

جوابات: اگر سہواً کلام سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو سہواً کھانے پینے اور خرید و فروخت وغیرہ سے بھی فاسد نہیں ہونی چاہیے۔ جب بالاتفاق سہواً کھانا پینا مفسد ہے تو سہواً کلام کرنا بھی مفسد ہے۔

نیز چونکہ مخالفین کے نزدیک بھی خبرِ واحد حجت ہے؛ لہٰذا سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو کہ ثقہ صحابی ہیں، کی عرض کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپ نماز میں ہیں، اِس کے باوجود آپ ﷺ نے دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تصدیق چاہی اور اُنھوں نے اِشارہ کے بجائے کلام کے ساتھ ہی تصدیق کی۔ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کلام سہواً نہیں، قصداً تھا، جو بالاتفاق مفسد ہے۔ یعنی معترض کے اُصول کے مطابق بھی اِس حدیث کو منسوخ تسلیم کرنا ضروری ہے۔

سوال: سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کو دورانِ نماز کلام کی ممانعت والی احادیث کے ذریعے منسوخ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اِس موقع پر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے، وہ وصالِ اقدس سے صرف تین سال قبل مسلمان ہوئے۔ (حدیث:2542) یعنی سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ مدینۂ منورہ میں ہوا، جب کہ نماز میں کلام سے مکۂ مکرمہ میں ہی منع فرما دیا گیا تھا۔

جوابات: مذکورہ بالا سوال کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) سندِ متصل سے یہ ثابت نہیں کہ مکۂ مکرمہ میں دورانِ نماز کلام سے منع فرمادیا گیا تھا۔ یہ ممانعت مدینہ منورہ میں ہی ہوئی۔ اِس پر درج ذیل اُمور دلیل ہیں:

I. سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ہم نماز میں گفتگو کرتے تھے حتیٰ کہ آیت کریمہ: {وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ} [البقرۃ:238] نازل ہوئی، تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا۔'' (حدیث:984)سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ منورہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔

II. سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نماز میں سلام کا جواب دیتے تھے، حتی کہ ہمیں اِس سے منع کیا گیا۔'' (حدیث:2546)سیدنا ابو سعید خُدری سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی کم عمر ہیں، یعنی اُنھوں نے بھی مدینۂ منورہ میں وہ دور پایا جب دورانِ نماز کلام جائز تھا۔

III. سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا خلاصہ ہے کہ جب وہ حبشہ سے مدینہ پاک پہنچے تو کلام کی ممانعت نازل ہو چکی تھی۔ (حدیث:2548)

2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والے موقع پر موجود نہیں تھے۔ سیدنا ذوالیدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ [جیسا معروف سیرت نگار محمد بن اسحاق علیہ الرحمہ نے ذکر کیا۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ (حدیث:2543)] جب کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصالِ اقدس سے تین سال قبل اسلام لائے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول: "صَلّٰى بِنَا" (رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی) سے مراد ہے: ''ہم مسلمانوں کو نماز پڑھائی۔'' لغت میں بکثرت اِس طرح کہا جاتا ہے، جیسا کہ رقم:2544 تا 2545 سے واضح ہے۔

باب الإشارة في الصلاة

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر نمازی ایسا اِشارہ کرے جس سے دوسرے کو بات سمجھ آجائے یا نمازی اِشارے سے سلام کا جواب دے تو اُس کی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں۔

پہلا قول: بعض ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر نمازی نے نماز میں کوئی ایسا اِشارہ کیا جس سے دوسرے کو بات سمجھ آگئی تو اُس کی نماز فاسد ہو گئی۔ ایسے اِشارہ اور کلام کا حکم یکساں ہے۔ اِسی طرح اِشارے کے ذریعے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد ہو گئی۔

دلیل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مختارِ کل ﷺ نے فرمایا:

«التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ، وَمَنْ أَشَارَ فِي صَلَاتِهِ إِشَارَةً تُفْهَمُ مِنْهُ فَلْيُعِدْهَا.» (حدیث:2550)

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِشارہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: ”زبان سے سلام کا جواب دینا بھی نماز کو فاسد کرتا ہے اور ہاتھ کے اِشارے سے دیا تو مکروہ (تنزیہی) ہوئی۔“

مزید لکھا: ”مُصلّی سے کوئی چیز مانگی یا کوئی بات پوچھی، اُس نے سر یا ہاتھ سے ہاں یا نہیں کا اِشارہ کیا، نماز فاسد نہ ہوئی البتہ مکروہ ہوئی۔“ (بہار شریعت، ج:1، ص:605)

عدمِ فساد پر دلائل: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبا تشریف لائے۔ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی آمد کی خبر سن کر سلام عرض کرتے حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے۔ سیدنا ابن عمر کہتے ہیں:

«فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ بِيَدِهِ بَاسِطٌ كَفِّهِ وَهُوَ يُصَلِّي.» (حدیث:2551)

نیز سیدنا بلال حبشی اور سیدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی دورانِ نماز اِشارے سے سلام کا جواب دینا نقل کیا ہے۔ (حدیث:2552 تا 2556)

کراہت پر دلائل: ☆ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نماز میں سکون اختیار کرنے اور اعضا کو حرکت نہ دینے کا حکم فرمایا ہے۔ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجد میں تشریف لائے تو لوگوں کو نماز پڑھتے ملاحظہ فرمایا، اُنھوں نے ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«مَالِي أَرَاكُمْ تَرْفَعُونَ أَيْدِيَكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمْسٍ، اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ.» (حدیث:2569)

☆ حضرت عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دورانِ نماز سلام کرنے والے کے بارے پوچھا تو اُنھوں نے فرمایا:

«لَا تَرُدُّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْضِيَ صَلَاتَكَ.» (حدیث:2567) نماز مکمل کرنے تک اُسے جواب نہ دو۔

وجہ ترجیح: اِشارے کے مفسد نماز نہ ہونے سے متعلق روایات کثیر اسناد کے ساتھ مروی ہیں؛ لٰہذا اِن پر عمل راجح ہے۔

نظر طحاوی: اِشارہ میں ایک عضو (ہاتھ) کو حرکت دی جاتی ہے۔ جب بالاتفاق دیگر اعضا کی حرکت سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو نظر کا تقاضا ہے کہ ہاتھ کی حرکت سے بھی فاسد نہ ہو اور کلام واِشارہ کا حکم مختلف ہو۔

آپ ﷺ کے اِشارہ کی توجیہ: احادیث میں مذکور ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دورانِ نماز سلام کہنے والوں کو اِشارہ فرمایا۔ اِس سے اِشارہ مکروہ نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ آپ

ﷺ کا اِشارہ سلام سے روکنے کے لیے ہو، نہ کہ سلام کا جواب دینے کے لیے۔ درج ذیل اُمور سے تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا اِشارہ جواب کے لیے نہیں تھا:

1) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زینتِ بزمِ کائنات ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، آپ ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے، تو آپ نے اُنھیں نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب دیا۔ (حدیث:2559) اگر نماز میں جواب دیا ہوتا تو فراغت کے بعد اُس کی حاجت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نسخ کے بعد نماز میں سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔

2) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلام کا جواب نہ ملنے پر نہایت پریشان ہوئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں: «فَأَخَذَنِي مَا قَدُمَ وَمَا حَدُثَ» "مجھے قدیم و جدید غموں نے گھیر لیا۔" (حدیث:2557) اگر آپ ﷺ نے اِشارے سے بھی جواب دیا ہوتا تو وہ پریشان نہ ہوتے۔

نوٹ: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی احادیث میں یہ مذکور نہیں کہ آپ ﷺ نے اُنھیں اِشارہ فرمایا تھا، اُن کی روایت سے صرف یہ تائید مقصود ہے کہ آپ ﷺ نماز میں جواب نہیں دیتے تھے۔

3) آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: «إِنَّ فِي الصَّلَاةِ شُغْلًا» بے شک نماز میں مشغولیت ہے۔ (حدیث:2558) یعنی نماز کی مشغولیت کے سبب نمازی جواب دینے سے معذور ہے اور دوسرے شخص کو اِسے سلام کہنا منع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازی کو سلام کہنا ناپسند سمجھتے تھے۔ (حدیث:2561)

4) سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں کسی کام کے لیے بھیجا، وہ واپس آئے تو آپ ﷺ سواری پر نماز ادا کر رہے تھے۔ اُنھوں نے سلام عرض کیا تو آپ ﷺ خاموش رہے، پھر دستِ اقدس سے اِشارہ فرمایا۔ اُنھوں نے پھر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ خاموش

رہے۔ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ إِلَّا أَنِّي كُنْتُ أُصَلِّي.» مجھے صرف نماز نے تمھیں جواب دینے سے روکا تھا۔ (حدیث:2564) نیز دیگر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے نماز سے فراغت کے بعد اُنھیں جواب دیا۔ (حدیث:2562) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا اِشارہ جواب کے لیے نہیں، سلام سے روکنے کے لیے تھا۔

5) سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «مَا أُحِبُّ أَنْ أُسَلِّمَ عَلَى الرَّجُلِ وَهُوَ يُصَلِّي، وَلَوْ سَلَّمَ عَلَيَّ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ.» (حدیث:2566) میں نماز پڑھتے شخص کو سلام کرنا پسند نہیں کرتا، اگر وہ مجھے سلام کرے تو میں جواب دوں گا (یعنی نماز کے بعد جواب دوں گا، جیسا کہ حدیث:2567 سے واضح ہے)۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشارے کے ذریعے اُنھیں سلام سے روکا تھا، جبھی وہ نمازی کو سلام کہنا ناپسند سمجھتے تھے۔

آپ ﷺ کا اِشارہ کراہت سے خارج ہے: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اِشارہ سے متعلق لکھا: وَفَعَلَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِتَعْلِيمِ الْجَوَازِ، فَلَا يُوصَفُ فِعْلُهُ بِالْكَرَاهَةِ. (ردّ المحتار) یعنی آپ ﷺ نے بیانِ جواز کے لیے دورانِ نماز اِشارہ کیا، اِس لیے آپ ﷺ کا یہ فعلِ مبارک کراہت سے پاک ہے۔

باب المرور بین یدی المصلی هل یقطع علیه ذلک صلاته أم لا

نمازی کے سامنے سُترہ نہ ہو تو سیاہ کتے، عورت یا گدھے کے گزرنے کے سبب نماز فاسد ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: اہل ظاہر کے نزدیک سُترہ نہ ہونے کی صورت میں اگر نمازی کے سامنے سے سیاہ کتا، خاتون یا گدھا گزرے تو اُس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

نوٹ: اہل ظاہر کے ہاں اِن کے گزرنے کے سبب نماز فاسد ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اِن تینوں کے ساتھ شیطان کا خاص تعلق ہے۔ شیطان بکثرت سیاہ کتے کی صورت اختیار کرتا ہے۔ گدھا شیطان کو دیکھ کر ہنہناتا ہے۔ خواتین مَردوں کے لیے فتنے کا باعث ہیں۔

دلیل: سیدنا ابو ذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اعلم الناس ﷺ نے فرمایا:

«يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ.» مزید فرمایا: «إِنَّ الْكَلْبَ الْأَسْوَدَ شَيْطَانٌ.» (حدیث:2570)

نیز سیدنا سہل بن ابی حثمہ، سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا عبد اللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اِن چیزوں سے نماز فاسد ہونا نقل کیا ہے۔ (حدیث: 2571 تا 2574)

دوسرا قول: جمہور علما بشمول احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ چیزیں نمازی کے سامنے سے گزریں تو اُس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

دلائل: متعدد احادیث طیبہ سے ثابت ہے کہ مذکورہ اشیا کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

گدھے سے متعلق: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

«مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يُصَلِّي وَأَنَا عَلَى حِمَارٍ وَمَعِي غُلَامٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، فَلَمْ يَنْصَرِفْ.» (حدیث:2577) میں گدھی پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے سامنے سے گزرا، میرے ساتھ بنو ہاشم کا ایک لڑکا تھا، آپ نماز ادا کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے نماز منقطع نہ کی۔

☆ سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ ملاقات کے لیے ہمارے دیہات میں تشریف لائے، ہماری ایک کُتیا اور گدھا تھے، وہ چَر رہے (کھا رہے) تھے۔ آپ ﷺ نے نمازِ عصر ادا کی، وہ دونوں آپ ﷺ کے سامنے تھے تو اُنھیں نہ روکا گیا، نہ پیچھے کیا گیا۔ (حدیث:2579)

کتے سے متعلق: ☆ سطور بالا میں سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت مذکور ہوئی، جس میں دوران نماز کُتیا کے سامنے سے گذرنے کا ذکر ہے۔

خواتین سے متعلق: اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (رات کو) نماز ادا فرماتے، میں (جگہ کی قلت اور اندھیرے کے سبب) سامنے لیٹی ہوتی۔ جب میں اُٹھنا چاہتی تو سامنے سے اُٹھنا ناپسند سمجھی، سو پائنتی والی طرف سے (ہٹتے ہوئے) نکل جاتی۔ (حدیث:2591)

☆ حضرت عِکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ذکر کیا گیا کہ اِن چیزوں کے گزرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«{إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ} [فاطر:10] وَمَا يَقْطَعُ هٰذَا، وَلٰكِنَّهُ يُكْرَهُ.» (حدیث:2578) پاکیزہ کلمات (بشمول اُن کلمات کے جو نمازی پڑھ رہا ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہوتے ہیں (اُس کی بارگاہ میں مقبول ہوتے ہیں)، اِن چیزوں کا گزرنا نماز نہیں توڑتا، البتہ ناپسندیدہ ہے۔

نیز سیدنا عبد اللہ بن عمر، مولی المسلمین سیدنا علی، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے کہ کسی چیز کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔(حدیث:2600،2603تا2607)

نظر طحاوی: بالاتفاق تمام کتوں کا گوشت اور جوٹھا حرام و نجس ہیں، اُن کے رنگ کا کوئی اعتبار نہیں۔ نظر کا تقاضا ہے کہ تمام کے گزرنے کا حکم بھی یکساں ہو اور اُس میں رنگ کا اعتبار نہ ہو۔ جس طرح غیر سیاہ کتا گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اِسی طرح سیاہ کے گزرنے سے بھی فاسد نہ ہو۔

کتے کی حرمت پر اتفاق ہے جب کہ گھریلو گدھے کی حرمت میں اختلاف ہے۔ جب متفق علیہ طور پر غیر مأکول اللّحم، یعنی کتے، کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو نظر کا تقاضا ہے کہ گدھا، جس کی حلت و حرمت میں اختلاف ہے، کے گزرنے سے بھی فاسد نہ ہو۔

جوابات: اہل ظاہر کی ذکر کردہ احادیث منسوخ ہیں۔ جواب کی تفصیل درج ذیل ہے:

روایتِ سیدنا ابن عباس: حضرت عِکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا کہ کتے، گدھے اور عورت کے گزرنے کے سبب نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(حدیث:2573) اِس کے برعکس حضرت عُبید اللہ اور صُہیب رحمہا اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔(حدیث:2575،2577) مؤخر الذکر روایات ناسخ ہیں اور پہلی روایات منسوخ ہیں۔ اِس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عکرمہ کے بقول ایک موقع پر سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ذکر کیا گیا کہ اِن چیزوں کے گزرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

«{إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ} [فاطر:10] وَمَا يَقْطَعُ هٰذَا وَلٰكِنَّهُ يُكْرَهُ.» (حدیث:2578)

معلوم ہوا کہ حضرت عُبید اللہ اور صُہیب رحمہا اللہ تعالیٰ والی روایات متأخر ہیں اور ناسخ ہیں۔

کتے کو شیطان فرمانے سے استدلال: سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز فاسد ہونے کا سبب یہ ذکر کیا گیا کہ وہ شیطان ہے۔(حدیث:2570) احادیث میں نمازی کے سامنے سے گزرنے والے انسان کو بھی شیطان فرمایا گیا۔(حدیث:2583)

کثیر احادیث کے مطابق انسان کے سامنے سے گزرنے کے سبب نماز فاسد نہیں ہوتی۔(حدیث:2587 تا2899) جب یہ مسئلہ اُسے "شیطان" فرمانے کے خلاف نہیں تو کتے کے گزرنے سے فاسد نہ ہونا بھی اُسے شیطان فرمانے کے خلاف نہیں۔

مزید تائید اِس بات سے ہوتی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے نقل کیا کہ نمازی گزرنے والے کو اپنے سامنے نہ گزرنے دے، اگر گزرنے والا نہ مانے تو اُس کے ساتھ لڑائی کرے، بے شک گزرنے والے کے ساتھ شیطان ہے۔(حدیث:2586) اِس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ کسی بھی چیز کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔(حدیث:2600) معلوم ہوا کہ وہ فسادِ نماز پر دلالت کرنے والی احادیث کو منسوخ سمجھتے تھے۔

نوٹ: حدیثِ مذکور میں گزرنے والے کے ساتھ لڑنے کا ذکر ہے، ممکن ہے یہ اُس وقت کی بات ہو جب نماز میں غیر متعلقہ بعض افعال کی اجازت تھی۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو شیطان فرمایا۔ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا:

مراد ہے کہ بلاوجہ گزرنے والا شیاطینِ اِنس(سرکش انسانوں) سے ہے۔ یا مراد ہے کہ اُسے نمازی کے سامنے سے گزرنے پر برانگیختہ کرنے والا شیطان ہے۔ یا مراد ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے، کیونکہ اس سے نمازی کی یکسوئی متأثر ہوتی ہے، اور نمازی کو شیطان ہی تشویش میں مبتلا کرتا ہے۔

باب الرجل ینام عن الصلاۃ أو ینساھا کیف یقضیھا

اگر نماز کو وقت میں ادا نہ کیا جا سکے تو اُس کی قضا کے طریقے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: اہل ظاہر کے نزدیک اگر کوئی شخص نماز کو اُس کے وقت میں ادا نہ کر سکے تو اُسے دوبار (۲) پڑھے گا، اوّلاً جب اُسے یاد آئے یا بیدار ہو، دوبارہ دوسرے دن اُسی نماز کے وقت میں۔

دلائل: ☆ سیدنا ذو مخبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (ایک رات) ہم سو گئے تو سورج کی تپش سے بیدار ہوئے۔ ہم وہاں سے (دوسرے مقام کی طرف) چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ فرماتے ہیں:

"فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ، فَصَلَّى بِنَا الصَّلَاةَ، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: «هٰذِهِ صَلَاتُنَا بِالْأَمْسِ»" (حدیث2608)

☆ سیدنا سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شاہِ عرب و عجم ﷺ سے روایت کیا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا مِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ.» (حدیث:2609)

دوسرا قول: بعض اہل ظاہر کے نزدیک اگر کسی شخص کی نماز قضا ہو جائے تو وہ اگلی نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اُس کی قضا پڑھے، جب تک دوسری نماز کا وقت شروع نہ ہو قضا نہیں کر سکتا۔ اِس کے بعد دوبارہ قضا کرنے کی حاجت نہیں۔

دلیل: سیدنا سَمُرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں کو تحریر بھیجی کہ جب کوئی شخص نماز سے مشغول ہوتا یا بھول جاتا حتی کہ اُس وقت گزر جاتا تو رسول اللہ ﷺ حکم فرماتے کہ اُسے اگلی فرض نماز کے ساتھ پڑھے۔ (حدیث:2611)

تیسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز قضا ہو جائے تو یاد آتے ہی یا بیدار ہوتے ہی ادا کر لینی چاہیے، البتہ اگر وقتِ مکروہ ہو تو اُس کے اختتام کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ اگلی نماز کا وقت داخل ہونا ضروری نہیں، نہ ہی دوبارہ قضا پڑھنا درست ہے۔

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ.» (حدیث:2617)

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے یاد آتے ہی (وقتِ غیر مکروہ ہونے کی صورت میں) نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، معلوم ہوا کہ اگلی نماز کا وقت داخل ہونا ضروری نہیں۔ نیز حدیث کے آخر میں اِس بات کی بھی تصریح ہے کہ ایک مرتبہ قضا کے بعد دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں۔

☆ متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نقل کیا وہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، رات کے آخر میں ایک جگہ قیام کیا تو اہتمام کے باوجود نمازِ فجر کے وقت کوئی بھی نیند سے بیدار نہ ہو سکا، آپ ﷺ نے سورج بلند ہونے کے بعد (اِشراق کے وقت میں) اُس کی باجماعت قضا فرمائی۔ (ظہر کا وقت داخل ہونے تک انتظار نہ فرمایا) (حدیث:2613، نیز دیکھیے حدیث:2290 تا 22298)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے (مفہوم): جو صاحبِ ترتیب نماز بھول جائے اور (اگلی نماز کی) جماعت میں شامل ہونے کے بعد اُسے یاد آئے تو وہ یہ نماز (بطورِ نفل جماعت کے ساتھ) پڑھ لے، پھر جو بھولا تھا اُسے قضا کرے، پھر جو امام کے ساتھ پڑھی تھی اُسے (بطورِ فرض) دوبارہ ادا کرے۔ (حدیث:2619، 2620)

نظرِ طحاوی: نماز اور روزہ دونوں کو وقتِ مقرر پر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر رمضان میں روزے کی بروقت ادائیگی نہ ہو سکے تو بالاتفاق بعد میں کسی بھی ایک (غیر ممنوع) دن میں قضا لازم ہے۔ مختلف فیہ کو متفق علیہ پر

قیاس کرتے ہوئے نظر کا تقاضا ہے کہ اگر نماز کو بروقت ادا نہ کیا جا سکے تو اُس کی بھی کسی غیر ممنوع وقت میں ایک ہی مرتبہ قضا لازم ہو۔

جواب: سیدنا عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیلۃ التَّعریس (جس رات کے آخری حصہ میں آپ ﷺ نے صحابہ کے ہمراہ ایک جگہ قیام فرمایا تھا) کے بارے مروی ہے کہ صبح باجماعت نمازِ فجر کی قضا پڑھنے کے بعد صحابہؓ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: «یَا نَبِيَّ اللهِ أَلَا نَقْضِيهَا لِوَقْتِهَا مِنَ الْغَدِ؟» "یارسول اللہ! کیا کل اِس کے وقت میں بھی قضا نہ پڑھ لیں؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الرِّبَا وَيَقْبَلُهُ مِنْكُمْ؟» یعنی دوبارہ پڑھنا اِضافہ ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں سود (ہم جنس کے اِضافہ) سے منع فرمایا ہے تو وہ خود بھی اِضافہ قبول نہیں فرمائے گا۔ (حدیث:2090)

یہ عرض تبھی کی جب پہلے اُنھوں نے آپ ﷺ کو دوبارہ پڑھتے دیکھا تھا یا اِس کا حکم دیتے سنا تھا۔ معلوم ہوا کہ دوبارہ ادا کرنے کا حکم پہلے تھا، جو منسوخ ہو چکا ہے، اور ایک ہی بار قضا کرنا اُس کے لیے ناسخ ہے۔

نیز قول ثانی کی دلیل، جو کہ سیدنا سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ متعدد احادیث کے خلاف ہے؛ لہٰذا اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

باب دباغ المیتۃ هل یطهّرها أم لا

دِباغت سے مُردار کی کھال پاک ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: حنابلہ اور موالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دباغت سے مُردار کی کھال پاک نہیں ہوتی۔ اُس پر نماز ادا کرنا جائز نہیں۔

دلیل: حضرت عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نامہ مبارک میں درج ذیل الفاظ بھی تھے:

«أَنْ لَّا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ.» (حدیث:2624) وفی روایة: «أَنْ لَّا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ بِشَيْءٍ.» (حدیث:2627)

یعنی مُردار کے کسی جز، کھال اور پٹھوں وغیرہ سے نفع حاصل نہ کرو۔

دوسرا قول: احناف اور شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک مردار کی کھال دِباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح مردار کے وہ اجزا جن میں حیات (حسّ) نہیں ہوتی، اگر اُن پر چکناہٹ نہ ہو تو وہ پاک ہیں۔

دلائل: ☆ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خاتم النبیین ﷺ سے نقل کیا:

«أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ. فَقَدْ طَهُرَ.» (حدیث:2635)

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«دِبَاغُ الْمَيْتَةِ طُهُورُهَا.» (حدیث:2641)

نیز اُم المؤمنین سیدہ سَودہ، اُم المؤمنین سیدہ میمونہ اور سیدنا سلمہ بن مُحبِّق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی آپ ﷺ سے روایت کیا کہ مُردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ (حدیث:2640 تا 2647)

نوٹ: مذکورہ بالا احادیث آیتِ کریمہ: {قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً} [الانعام:145] نازل ہونے کے بعد کی ہیں۔ نیز آیتِ کریمہ میں مردار کھانے کو حرام قرار دیا گیا ہے، دِباغت کے بعد طہارت کی نفی نہیں۔ جیسا کہ حدیث:2649 سے واضح ہے۔

☆ مظہر ذاتِ خدا ﷺ نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو دورِ جاہلیت کے جوتے، موزے اور بچھونے پھینک دینے کا حکم نہیں فرمایا، حالانکہ وہ مُردار یا غیر مسلم کے ذبیحہ کی کھال سے بنے تھے۔ اِسی طرح کفار کے علاقوں کی فتح کے بعد اُن کے موزوں وغیرہ سے بچنے کا حکم نہ فرماتے۔(حدیث: 2651) یہ اِسی لیے تھا کہ مُردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اُس کا حکم دیگر استعمالی چیزوں جیسا ہے۔

نظرطحاوی: بالاتفاق انگور کے شیرے میں شراب کے اوصاف پیدا ہو جائیں تو وہ حرام و نجس ہو جاتا ہے، پھر شراب کے اوصاف ختم ہونے کے بعد سرکہ کے اوصاف پائے جانے پر حلال وطاہر ہو جاتا ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ مردار کی کھال وغیرہ کا بھی یہی حکم ہو، دباغت کے بعد مُردار کے اوصاف ختم ہونے کی وجہ سے پاک ہو جائے۔

جواب: قول اول کے تحت مذکور سیدنا عبد اللہ بن عکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اُس سے مردار کی غیر مدبوغ کھال اور چکناہٹ والے پٹھے مراد ہیں۔ قرینہ یہ ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ایک شخص نے مُردار کی چربی کے بارے سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے جواب میں یہی کلمات فرمائے تھے۔(حدیث:2628)

نیز سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے مردار کے اجزا سے ممانعت نقل کی۔(حدیث: 2628) پھر اُن سے منقول ہے: ''ہم مالِ غنیمت میں ملنے والے مردار کی کھالوں سے بنے مشکیزوں سے نفع حاصل کرتے تھے۔''(حدیث:2651)

باب الفخذ هل هو من العورة أم لا

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ ران کو چھپانا فرض ہے یا نہیں۔

پہلا قول: بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ران سَتر میں داخل نہیں، اُسے ظاہر کرنا جائز ہے۔

دلیل: اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا خلاصہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بے تکلّفی سے تشریف فرما تھے، صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمیت مختلف صحابہ کرام علیہم الرضوان حاضر خدمت ہوئے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُسی حالت پر تشریف فرما رہے، جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کپڑوں کا مزید اہتمام فرمایا۔ ازاں بعد اِستفسار پر فرمایا: ''کیا میں اُس شخص سے حیا نا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔'' اِس روایت میں ہے:

«قَدْ وَضَعَ ثَوْبَهُ بَيْنَ فَخِذَيْهِ.» (حدیث:2652)

مذکورہ ائمہ کے نزدیک ترجمہ ہے: ''آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا کپڑا شریف مبارک رانوں کے درمیان رکھا ہوا تھا، یا آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا کپڑا شریف رانوں سے ہٹایا ہوا تھا۔''

دوسرا قول: ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ران کو چھپانا فرض ہے۔

دلائل: مولی المسلمین سیدنا علی، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا محمد بن عبد اللہ بن جحش اور سیدنا جَرہد بن خُویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ مُعلِّمِ انسانیت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ران کو ''عورت'' (جسے چھپانا فرض ہے) فرمایا۔ مولی المسلمین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے درج ذیل الفاظ نقل کیے:

«اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ.» (حدیث:2657)

نظرِ طحاوی: بالاتفاق مَرد اپنی محرم خاتون کے بال، چہرہ، ہاتھ اور پنڈلیاں وغیرہ دیکھ سکتا ہے (بشرطیکہ خیال فاسد نہ ہونے کا یقین ہو)، جب کہ اُس کا پیٹ، پُشت اور ران نہیں دیکھ سکتا۔ معلوم ہوا خاتون کی ران پردے کے حکم میں داخل ہے اور اُس کا پنڈلی والا حکم نہیں ہے۔ نظر کا تقاضا ہے کہ مَرد کی ران بھی پردے کے حکم میں داخل ہو اور اُس کا حکم پنڈلی کے حکم سے مختلف ہو۔

جواب: باب کے شروع میں مذکور اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے جوابات درج ذیل ہیں:

1) یہ حدیث پاک دیگر اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے، اُن کی روایات میں رانوں پر کپڑا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ (دیکھیے حدیث: 2653)

2) ران پر کپڑا نہ ہونے سے مراد ہے: ''ران پر صرف تہ بند شریف تھا، اُس کے اُوپر کپڑا (قمیص وغیرہ) نہیں تھا۔'' ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا: وَيَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ الْمُرَادُ بِكَشْفِ الْفَخِذِ كَشْفَهُ عَمَّا عَلَيْهِ مِنَ الْقَمِيصِ، لَا مِنَ الْمِئْزَرِ...وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ أَحْوَالِهِ ﷺ مَعَ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ.
(مرقاۃ المفاتیح)

باب الأفضل فی الصلوات التطوّع هل هو طول القیام أو کثرۃ الرکوع والسجود

اِس مسئلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص معین وقت میں نوافل ادا کرنا چاہے تو اُس کے لیے قیام طویل کرنا بہتر ہے یا مختصر قیام کے ساتھ رکوع و سجود اور رکعات کی کثرت کرنا۔

پہلا قول: موالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک رکوع و سجود کی کثرت اور رکعات کی تعداد زیادہ ہونا طویل قیام کے ساتھ کم رکعات ادا کرنے سے افضل ہے۔

دلائل: ☆ حضرت مُخارِق رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ہم نے سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے پایا۔ میں نے اُنھیں دیکھا کہ وہ قیام طویل نہیں کرتے تھے اور رکوع و سجود کی کثرت کرتے تھے۔ اِس بارے استفسار پر اُنھوں نے کہا: میں نے اچھی طرح نماز ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَنْ رَكَعَ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَةً رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً.» (2666)

☆ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی رکوع و سجود کی کثرت کو پسند کرتے۔ نیز اُنھوں نے آپ ﷺ سے نقل کیا:

«إِذَا قَامَ الْعَبْدُ يُصَلِّي أُتِيَ بِذُنُوبِهِ، فَجُعِلَتْ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقَيْهِ، فَكُلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ.» (حدیث:2667)

دوسرا قول: احناف، شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مفتیٰ بہٖ اقوال کے مطابق طویل قیام، رکوع و سجود کی کثرت سے افضل ہے۔ صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا:

”نماز میں قیام طویل ہونا کثرتِ رکعات سے افضل ہے، یعنی جب کہ کسی وقت معین تک نماز پڑھنا چاہے، مثلاً دو رکعت میں اتنا وقت صرف کر دینا چار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔“(بہار شریعت، ج:1، ص:667)

دلائل: ☆ سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُولُ الْقِيَامِ.» (حدیث:1735) افضل ترین نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔

☆ سیدنا مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

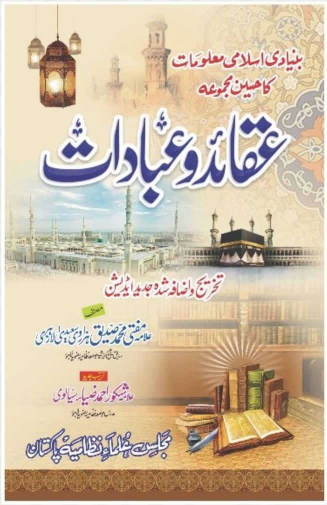
قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهٗ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.» (بخاری:4836)

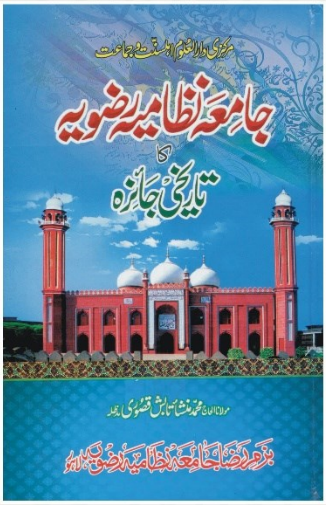
روایتِ سیدنا ابوذر کا جواب: شروعِ باب میں بروایتِ سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہوا: ”جس نے ایک رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا، اللہ تعالیٰ اِس کے سبب اُس کا درجہ بلند فرماتا ہے اور گناہ مٹاتا ہے۔“(حدیث:2666) ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی مراد ہو ”جس نے ایک رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا، جب کہ اِس سے پہلے طویل قیام بھی کیا۔“

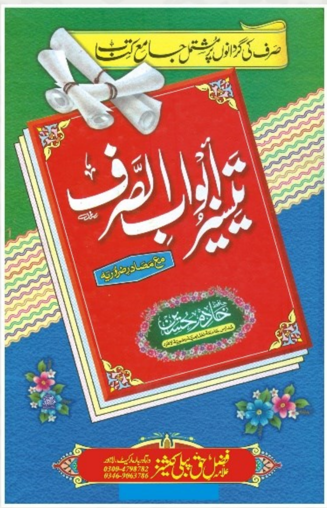
نیز ممکن ہے کہ مراد ہو: ”جس نے ایک رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا، اللہ تعالیٰ اِس کے سبب اُس کا درجہ بلند فرماتا ہے اور گناہ مٹاتا ہے۔ اگر اِس کے ساتھ طویل قیام بھی کرے تو وہ افضل ہے اور اُس کا ثواب اِس سے بھی زیادہ ہے۔“

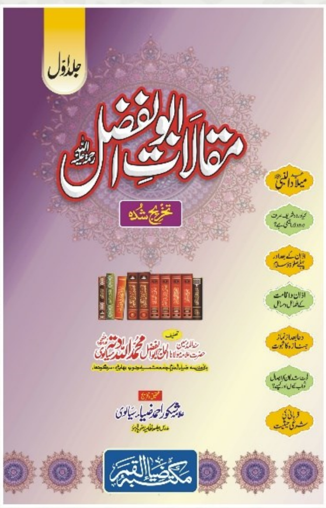
روایتِ سیدنا ابن عمر: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رکوع و سجود کی افضلیّت ثابت نہیں ہوتی؛ کیونکہ اُس میں رکوع و سجود پر ملنے والے اجر کا بیان ہے، ممکن ہے طولِ قیام کا ثواب اِس سے بھی زیادہ ہو۔

{رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ} [البقرة:127]


بنیادی اسلامی معلومات کا حسین مجموعہ
عقائد و عبادات
تخریج و اضافہ شدہ جدید ایڈیشن


جامعہ نظامیہ رضویہ
کا
تاریخی جائزہ


صرف کی گردانوں پر مشتمل جامع کتاب
تیسیر ابواب الصرف
مع مصادر رضویہ


جلد اوّل
مقالات ابو الفضل
تخریج شدہ